خونِ جگر
جگر جالندھری

اُردو زبان کی رُوح ، غزل کی لطافت ، نفاست اَور شعریت میں پوشیدہ ہے ۔ اِس تک رسائی کے بغیر اچھی غزل کہنا مُمکن نہیں ہے ۔ جناب جگرؔ جالندہری نے اپنے فطری شاعرانہ جوہر کی تربیت میں یقیناً بڑا ریاض کیا ہوگا تب جاکے وہ زبان و بیان کی اِن بلندیوں کو چھُو سکے ہیں ۔ اب اُن کے آدابِ فن کے ساتھ عصری زندگی کا شعُور بھی آمِلا ہے ۔ اِسی لئے اُن کے شعروں میں زندگی کی توانائی اَور فن کی رعنائی کا مَوزُوں اَور خُوبصورت اِمتزاج و اظہار ہے ۔

ڈاکٹر بشیر بدر

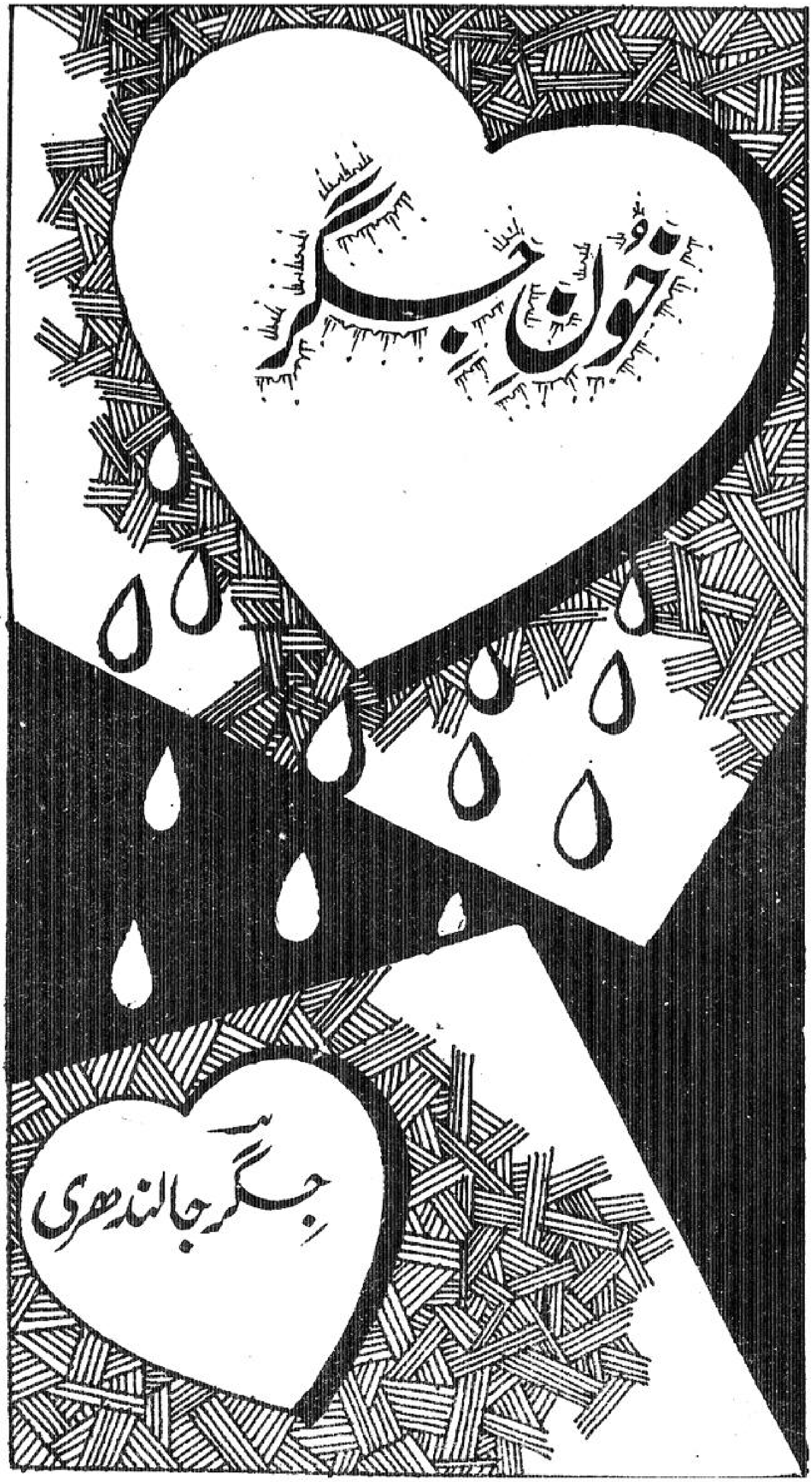
خونِ جگر
جگر جالندھری

(جملہ حقوق بہ حقِ مصنّف محفوظ ہیں)

سرورق : قیصر سرمست

سنِ اشاعت : ۱۹۸۴ء

مطبع : ہمدرد آفسیٹ پریس جالندھر شہر

تعداد : ایک ہزار   قیمت :-

خوشنویس : سریندر او سیٹھی

ناشر : دیپک پبلشرز، مائی ہیراں گیٹ جالندھر شہر

کتاب ملنے کے پتے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار جامع مسجد دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ بمبئی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ

دفتر شانِ ہند فلیٹ نمبر ۳ انصاری مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی

موڈرن پبلشنگ ہاؤس نمبر ۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی

دیپک پبلشرز، مائی ہیراں گیٹ، جالندھر شہر

نوٹ: یہ مجموعۂ کلام حکومتِ پنجاب (بھاشا وبھاگ) کے مالی اشتراک سے شائع ہوا ہے

اِنتساب

مالکِ دو جہاں کے نام
جس کے کرم نے ادب کے لئے
"خونِ جگر"
دینے کے قابل بنا دیا

ہے قَسم خُونِ جگر کی مُجھ کو اَے اُردو زباں
کم نہ ہونے دُوں گا تیرے باغ کی رنگینیاں

جگرؔ جالندھری

سوانحی اِشارے

نام :- دھرم پال مرواہا
تخلص :- جِگرؔ جالندھری
تاریخ وِلادت :- ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء
مقام وِلادت :- سارنگدیو - ضلع امرتسر (پنجاب)
تعلیم :- بی۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ ادیب فاضل
سکونت :- مرواہا کاٹیج۔ گلی نمبر ۶۔ گوربخش کالونی۔ پٹیالہ

اعزازات :-

۱۔ پنجابی یونیورسٹی کی طرف سے "بہترین شاعر" کا اعزاز اور انعام (۱۹۶۸ء)

۲۔ لائنز کلب جالندھر اور جے سیز جالندھر کی طرف سے منعقدہ اعزازی مُشاعرہ میں کیسۂ زر (اکتوبر ۱۹۷۹ء)

۳۔ روٹری کلب جالندھر (انٹرنیشنل باڈی) کی طرف سے منعقدہ اعزازی مُشاعرہ میں کیسۂ زر اور میمنٹو (نومبر ۱۹۷۹ء)

۴۔ اہلِ پٹیالہ کی طرف سے "جشنِ جِگرؔ جالندھری" کی تقریب کے سلسلے میں منعقدہ اعزازی آل انڈیا مُشاعرہ میں کیسۂ زر اور سووینیر (اپریل ۱۹۸۰ء)

۵۔ دوسرے مجموعۂ کلام "لختِ جگر" پر اُترپردیش اُردو اکاڈمی ایوارڈ (۱۹۸۰ء)

۶۔ حکومتِ پنجاب (محکمہ السنہ) کی جانب سے "لختِ جگر" کو ۱۹۸۰ء کی بہترین شعری تخلیق کا ایوارڈ (۱۹۸۱ء)

۷۔ ہیرو سائیکل پرائیویٹ لمیٹڈ لُدھیانہ کی جانب سے منعقدہ مخصوص اعزازی تقریب میں کیسۂ زر (نومبر ۱۹۸۲ء)

۸۔ روٹری کلب پٹیالہ مڈٹاؤن (انٹرنیشنل باڈی) کی جانب سے ۱۹۸۲-۸۳ء
کا کلچرل ایوارڈ (اپریل ۱۹۸۳ء)
۹۔ روٹری کلب جالندھر (انٹرنیشنل باڈی) کی طرف سے منعقدہ اعزازی
مشاعرہ میں کیش ایوارڈ ٹرافی اور مینٹو (اپریل ۱۹۸۶ء)
۱۰۔ روٹری کلب راجپورہ (انٹرنیشنل باڈی) کی جانب سے منعقدہ اعزازی
تقریب میں کیش ایوارڈ اور مینٹو (مئی ۱۹۸۴ء)

دیگر سرگرمیاں :۔ گذشتہ ۲۸ برس سے اپنی تخلیقات کے ذریعے ادب اور قوم کی خدمت سرانجام دے رہا ہوں۔ ملک کے موقر سرکاری اور غیر سرکاری رسالوں اور اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ ٹیلی ویژن، ریڈیو اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ لکھنؤ میں ۱۹۷۳ء اور ۱۹۸۱ء میں منعقدہ آل انڈیا غیر مسلم اردو مصنفین کانفرنس میں حصہ لے چکا ہوں۔ ۱۹۸۱ء کی کانفرنس کا جوائنٹ سیکریٹری تھا۔ چراغِ سخن کو خونِ جگر سے جلائے رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

تصانیف :۔ ۱۔ سوزِ جگر (۱۹۷۲ء)
۲۔ محنتِ جگر (۱۹۷۹ء)
۳۔ خونِ جگر (نیا مجموعۂ کلام)

مُصنّفؔ تصویروں کے آئینے میں

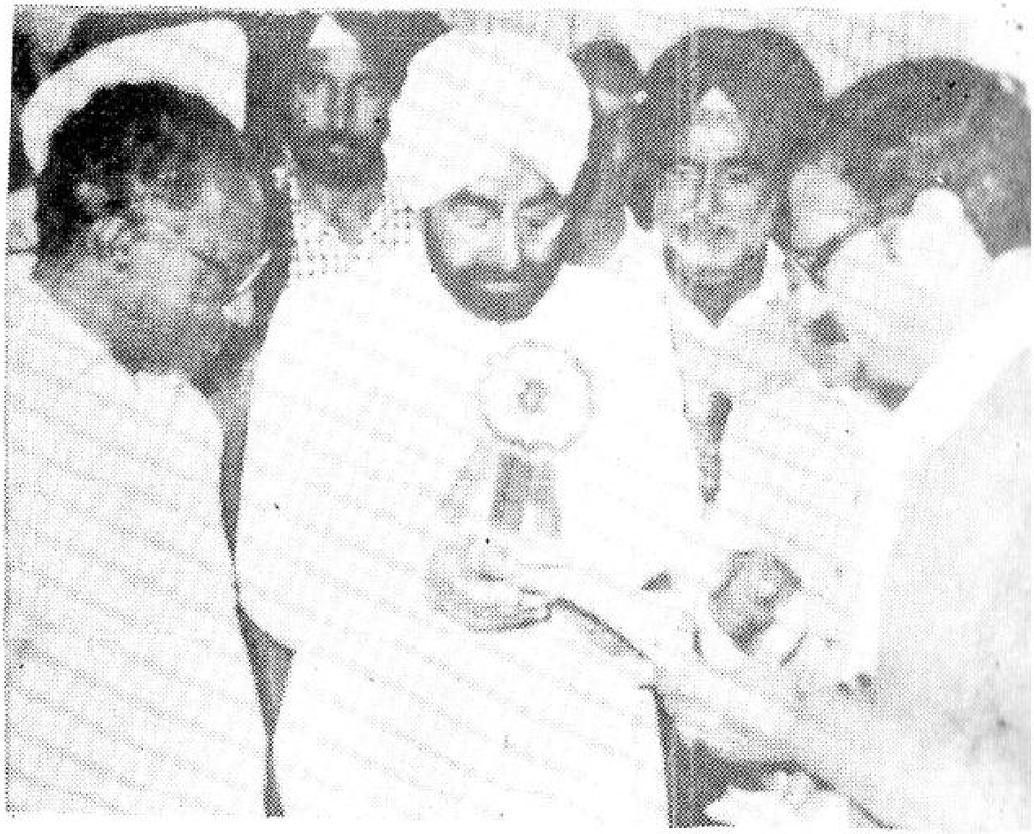

صدر جمہوریہ ہند عالیجناب گیانی ذیل سنگھ پنجاب راج بھون میں منعقدہ مخصوص ادبی تقریب میں مصنفؔ سے اُن کی
لیقات "سوزِ جگر" "لذتِ جگر" اور "ابھینندن گرنتھ" جشنِ جگرؔ جالندھری قبول فرماتے ہوئے اور
"خونِ جگر" کے لئے آشیرواد دیتے ہوئے۔
ادر میں جناب سنت رام سنگلا ایم۔ اے (درمیان میں) اور جناب بالکرشن سنگلا صدر روٹری کلب
یالہ مڈٹاؤن (بائیں طرف) نمایاں ہیں۔

(نومبر ۱۹۸۳ء)

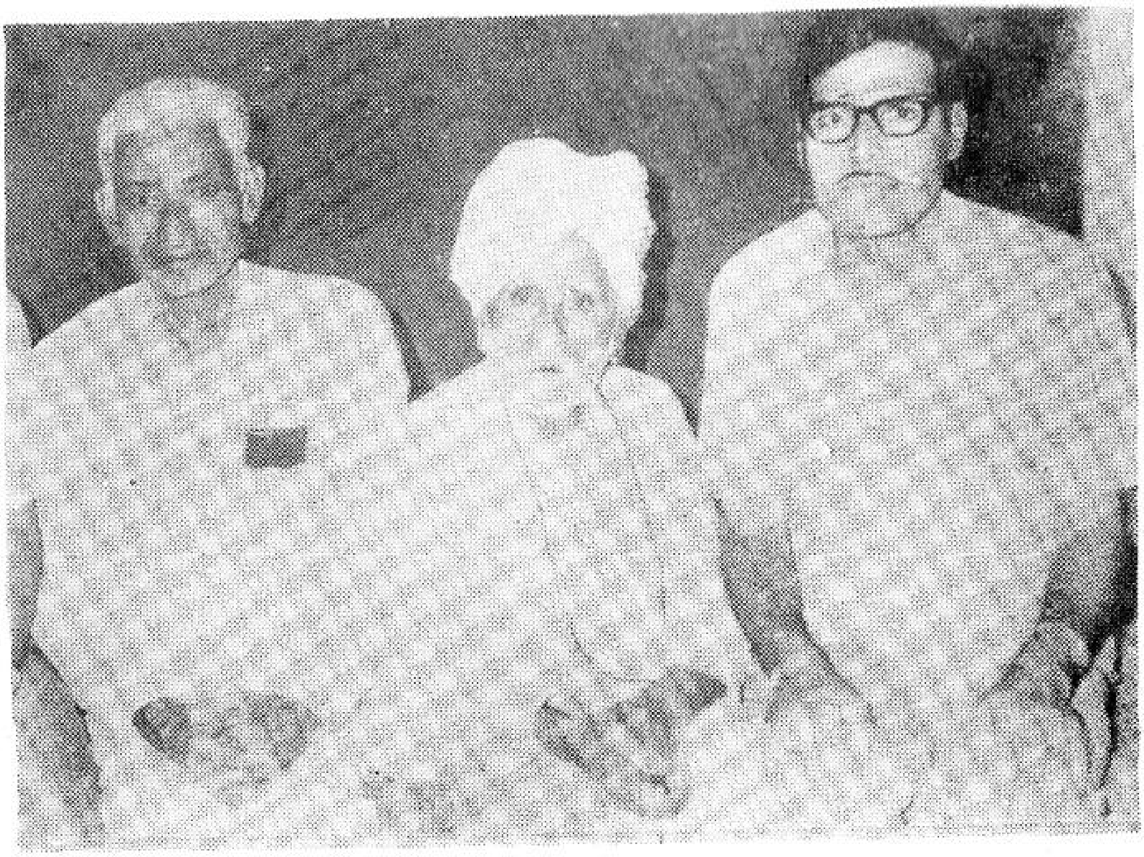

عظیم المرتبت اساتذہ ابوالفصاحت قبلہ جوشؔ ملسیانی اور قبلہ ساحرؔ سیالکوٹی کے حضور میں۔
"اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں"

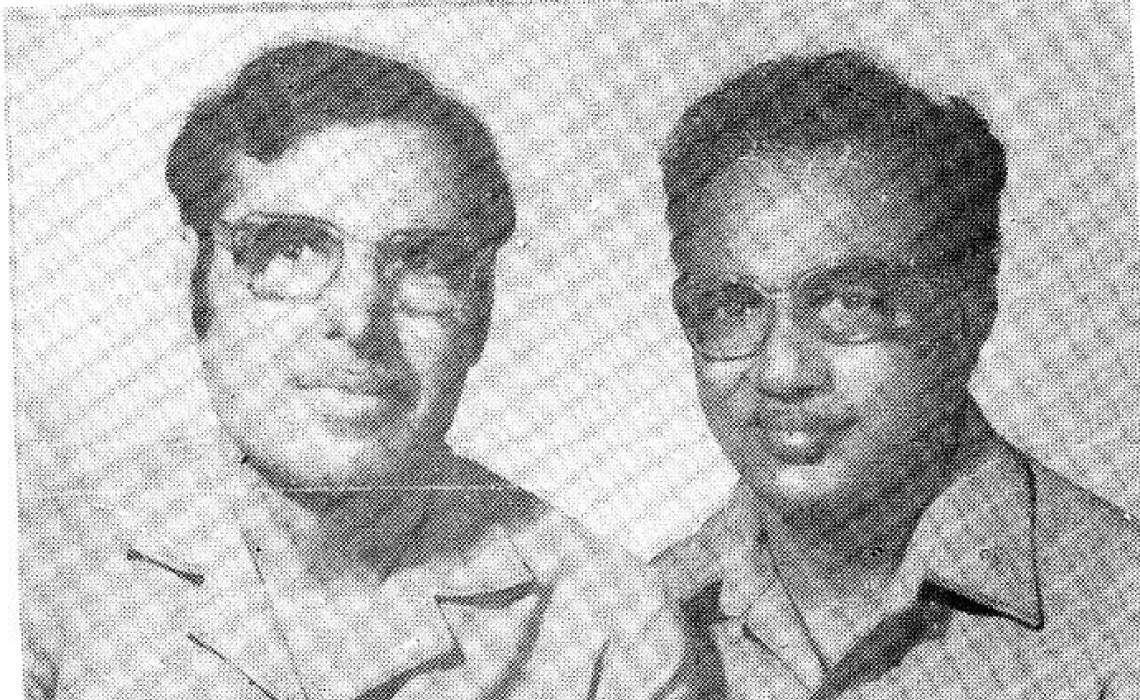

روٹری کلب پٹیالہ مڈ ٹاؤن کی جانب سے منعقدہ ایک اعزازی تقریب میں محترم دوست
جناب بالکرشن سنگلا کے ساتھ۔

"جشنِ جگر جالندھری" کے سلسلے میں منعقدہ کل ہند مشاعرہ میں جناب امریک سنگھ پوٗنی۔ آئی۔اے۔ایس کمشنر پٹیالہ ڈویژن اہلِ پٹیالہ کی طرف سے مصنف کا اعزاز کرتے ہوئے۔ (اپریل ۱۹۸۳ء)

عظیم ادب دوست جناب اوم پرکاش منجال ڈائریکٹر ہیرو سائیکل پرائیویٹ لمیٹڈ لدھیانہ سے اعزاز قبول کرتے ہوئے۔ (نومبر ۱۹۸۳ء)

سابق ڈسٹرکٹ گورنر جناب ایس۔ وی بینس (درمیان میں) اور جناب ایس۔ پی۔ جوڑہ صدر روٹری کلب جالندھر (بائیں طرف) روٹری انٹرنیشنل کی جانب سے مصنف کو سنمانت کرتے ہوئے۔ (اپریل ۱۹۸۴ء)

جناب جی۔ ایس گکھڑ صدر روٹری کلب راجپورہ سے اعزاز قبول کرتے ہوئے۔ بائیں طرف کلب کے سیکرٹری جناب ہیرا لعل جلان نمایاں ہیں۔

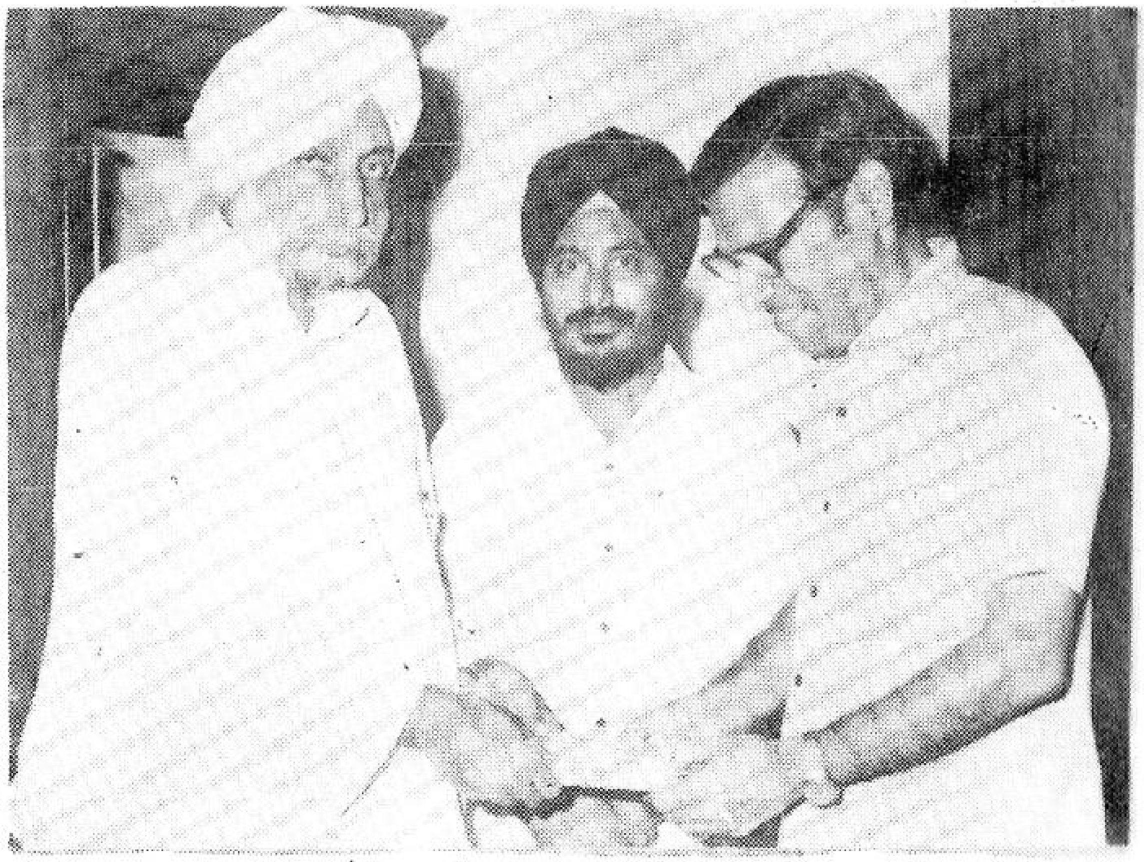

جناب بے انت سنگھ سابق پی۔ ڈبلیو۔ ڈی منسٹر پنجاب کو اپنی تخلیقات پیش کرتے ہوئے۔ درمیان میں جناب جگجیت سنگھ دردی چیف ایڈیٹر روزانہ چڑھدی کلا پٹیالہ کھڑے ہیں۔ (۱۹۸۲ء)

جناب آر۔ این۔ آہلی ورکس مینجر، امرت بناسپتی پیپر ملز کمپنی کی طرف سے مصنف کو سنمان دیتے ہوئے درمیان میں جناب آر۔ ایل۔ بیری کھڑے ہیں۔

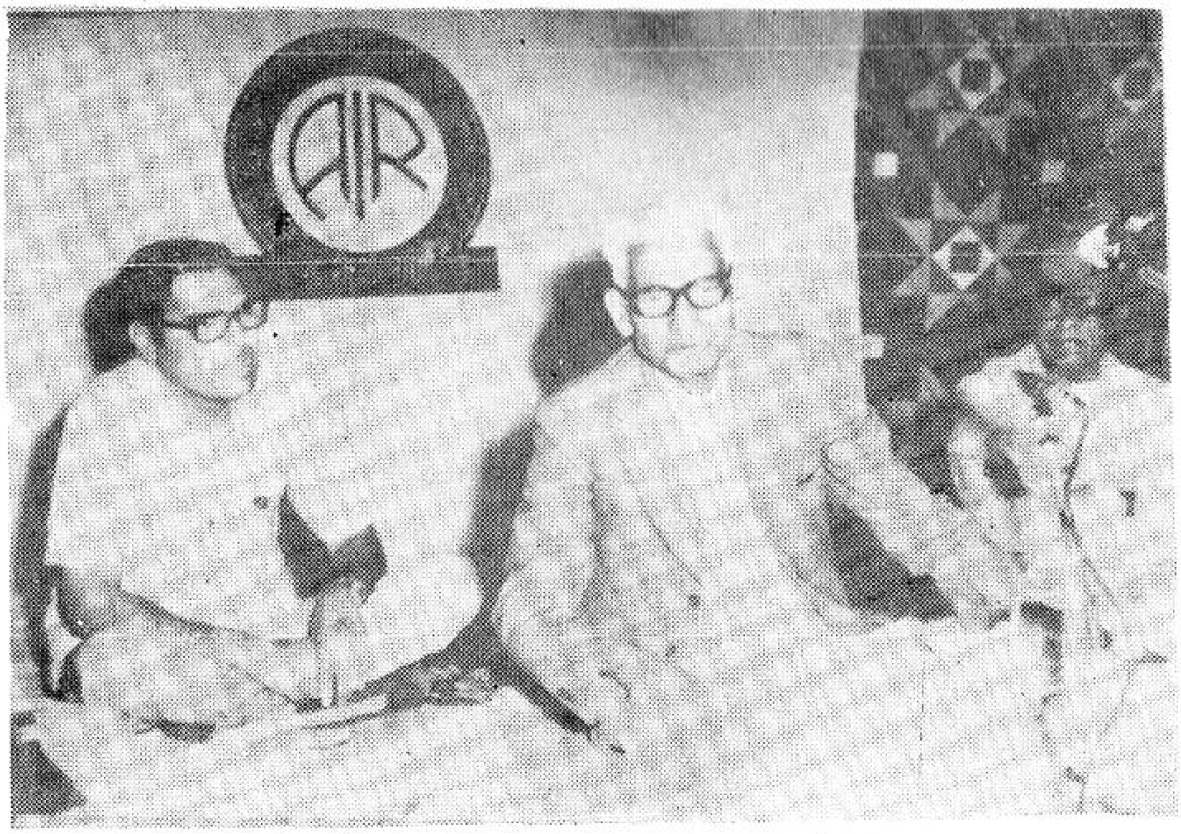

آل انڈیا ریڈیو جالندھر کا مشاعرہ۔ مصنف کے ساتھ قبلہ ساحر سیالکوٹی (مرحوم) تشریف فرما ہیں۔
(مارچ ۱۹۸۳ء)

جالندھر کے ایک کُل ہند مشاعرہ میں غزل سرا
ڈاکٹر دیوراج دیو اور رشمی پٹیالوی تصویر میں نمایاں ہیں۔ (مارچ ۱۹۸۱ء)

پٹیالہ میں منعقدہ ایک آل انڈیا مشاعرہ کے موقع پر۔
(بیٹھے ہوئے دائیں سے بائیں) نسیم نوزلوی۔ خمار بارہ بنکوی مصنف۔ ساحر سیالکوٹی (کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں) ذہین۔ وفا پٹیالوی۔ سکھدیو شرما رشک۔ آر۔ ڈی شرما تاثیر۔ امرچند قیس (مارچ ۱۹۸۳ء)

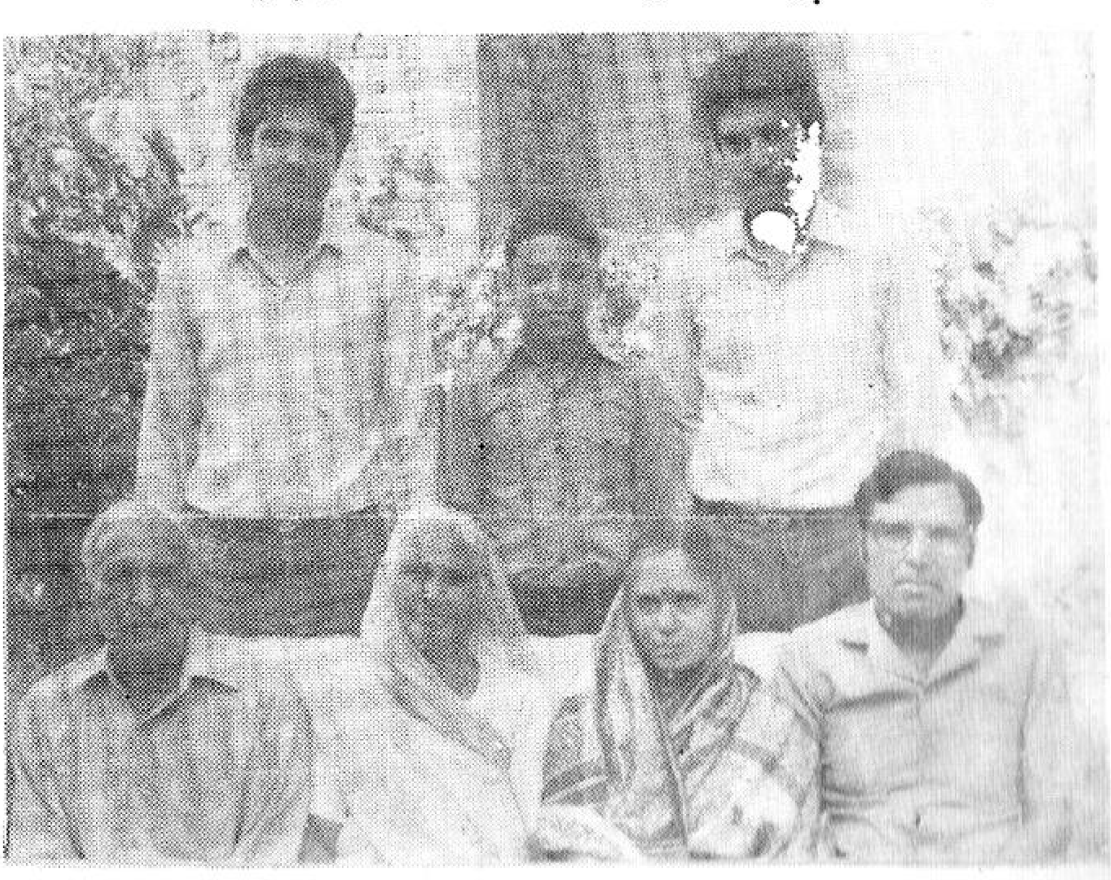

پوجیہ والدین۔ شریک حیات اور صاحب زادوں کے ساتھ۔
"خوشی سے کٹ رہی ہے زندگانی"

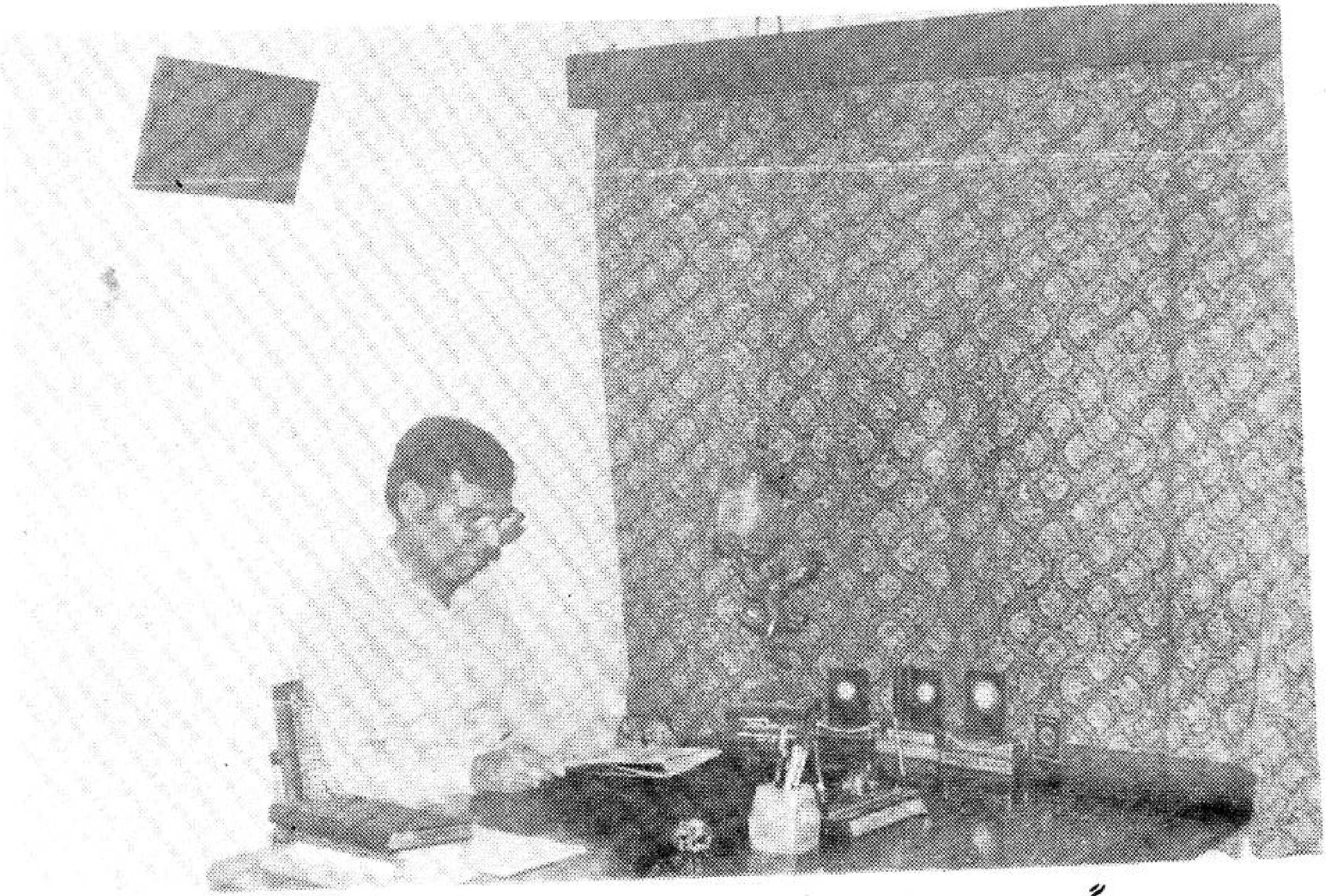

گھر میں ادبی مطالعہ کرتے ہوئے۔ آس پاس ادبی و سماجی اداروں سے حاصل کردہ مینٹو پڑے ہیں۔

ارشادات

ابوالفصاحت پدم شری قبلہ جوشؔ ملسیانی (مرحوم و مغفور)

عزیزی جگرؔ جالندھری کو میں ایک مدّت سے جاننے کی طرح جانتا ہوں۔ وہ اگرچہ میرے قابل شاگرد ساحرؔ صاحب سیال کوٹی سے کامیاب تربیت حاصل کرتے رہے ہیں مگر مجھ سے بھی مستفید ہوتے رہتے ہیں اور ادبی مشورے بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ زبان اور فن کی تحقیق کے شیدائی اور حسنِ سخن کے فدائی ہیں۔ طبیعت شاعری کیلئے بہت موزوں ہے۔ اُن کی صحیح قسم کی موزونیِ طبع پیچیدہ بحروں میں بھی صحیح کہنے پر قادر ہے۔ ایک دفعہ میں نے اپنے بیس بائیس عزیزوں کو پیچیدہ سا مصرعِ طرح موزونیِ طبع کا امتحان لینے کے لئے اُس طرح میں غزل کہنے کی فرمائش کی تھی نصف تعداد لڑھک گئی تھی۔ جو عزیز کامیاب رہے اُن میں جگرؔ صاحب بھی شامل تھے۔

وہ تخیّل اور زبان کو دوش بدوش رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ نتائجِ افکار میں جھول بہت کم ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ متروکاتِ شعری اور متروکاتِ زبان کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ بندش کے لحاظ سے شعر ٹھوس اور مضبوط ہوتا ہے۔ اصلاح کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ طبیعت زیادہ تر غزل ہی کا میدان پسند کرتی ہے۔ ہر قسم کی عریانی اور بازاری زبان سے بچ کر شعر کہتے ہیں۔ خوش بیانی اُن کی طبعِ سلیم کا جوہر ہے۔ جو ہر قابل کہے جانے کے مستحق ہیں۔

سحر البیان جناب ساحر سیالکوٹی

جگر جالندھری میرے واقف تمیز عزیزوں میں سے ہیں۔ اور شعر و شاعری سے اُنہیں فطری لگاؤ ہے۔ شعر و شاعری کے رموز کو بڑی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ شعر خوب سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ اور شعر کہتے وقت وہ شعر کے ہر دو پہلوؤں کو یعنی "حسنِ معنی" اور "حسنِ بیان" کو سامنے رکھتے ہیں۔ جیسے کہ قبلہ جوشؔ ملسیانی نے اپنے ایک مقطع میں فرمایا ہے ؎

مقدّم جانتے ہو جوشؔ اِک تم حُسنِ معنی کو
مگر ہم دیکھتے ہیں شعر میں حُسنِ بیاں پہلے

جگرؔ کا ہر شعر اِن دونوں خوبیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جگرؔ ابھی نوجوان ہیں اور اِس عُمر میں ہی شاعری میں پختگی کی منزلیں طے کر لینا اُن کی محنت اور موزونیِ طبع کا نتیجہ ہے۔ مَیں نے اُنہیں "فارغ الاصلاح" قرار دے دیا ہوا ہے مگر وہ ابھی تک مُسلسل مجھے کلام بغرضِ اِصلاح بھیجتے رہتے ہیں۔ جو اِصلاح کے شوق کے علاوہ اُن کی سعادت مندی کی بھی دلیل ہے۔ جگرؔ کے کلام کے دو مجموعے "سوزِ جگر" اور "لختِ جگر" شائع ہو چکے ہیں۔ جو قبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اب وہ اپنا تیسرا مجموعۂ کلام "خونِ جگر" شائع کر رہے ہیں۔ دُعا گو ہوں کہ یہ مجموعۂ کلام بھی قبولِ عام کی سند حاصل کر کے اُردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ سمجھا جائے۔

"ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

ابو البلاغت جناب رتنؔ پنڈوروی

جانشین حضرت دِل شاہ جہان پوری

کلامِ جگرؔ آشنائے نظر ہے
سرورِ دل و جاں ہے نورِ بصر ہے
وطن بھر میں مقبول ہے معتبر ہے
بڑا دل نشیں پُرکشش پُر اثر ہے

تغزّل کا ایمان جانِ سخن ہے
ادب کا مُرقع ہے شانِ سخن ہے

تڑپتے ہیں ہر سمت فطرت کے جلوے
فصاحت۔ بلاغت۔ لطافت کے جلوے
حلاوت۔ ملاحت۔ عذوبت کے جلوے
نفاست۔ سلاست۔ نزاکت کے جلوے

کہیں جوشؔ صاحب کی شیریں زبانی
کہیں بھائی ساحرؔ کی سحر البیانی

مضامین عالی خیالات نادر
تراکیب شُستہ۔ محاکات نادر
شبابِ سخن کی روایات نادر
جھلکتی ہے ہر جا کرامات نادر

زبان و بیاں کی دِل آویزیاں ہیں
تکلّم۔ تبسّم کی گُل ریزیاں ہیں

جدّت کی پاکیزگی دِل رُبا ہے
تخیّل کی پرواز رشکِ ہُما ہے
اسالیبِ نَو کی نرالی ادا ہے
حقیقت نگاری حقیقت نُما ہے

کھِلا ہر قدم پہ گُلستانِ معنی
ہوئے شاد جس سے محبّانِ معنی

کہیں حُسنِ سرکش کی نخوت نُمایاں | کہیں عشقِ صادق کی جُرأت نُمایاں
کہیں زاہدانہ متانت نمایاں | کہیں مے کشوں کی ظرافت نُمایاں

حدیثِ محبّت کہیں ضَو فشاں ہے
کہیں فکرِ دَوراں ہے ۔ ذکرِ بُتاں ہے

کلامِ جگرؔ کی یہ جادُو گری ہے | کہ یہ قطعہ زمیں بھی گُلوں سے بھری ہے
حقیقت یہ بُنیاد اِس کی دھری ہے | تصنّع سے ہر شعر قطعاً بری ہے

عجب روزمرّہ عجب سادگی ہے
عجب دِل ستانی عجب دِل کشی ہے

یہ جودت یہ زورِ طبیعت تو دیکھو | یہ تیور یہ لفظی کرامت تو دیکھو
یہ فنّی تجسّس کی رِفعت تو دیکھو | یہ حُسنِ نگارش کی شوکت تو دیکھو

یہ داغی گھرانے کی صنعت گری ہے
کہ جالندھری کی زباں دہلوی ہے

فصاحت کی رعنائیاں رُونُما ہیں | خود ابوالفصاحت بھی مدحت سرا ہیں
محبّت کے جذبات کیا جوش زا ہیں | کہ اہلِ نظر دِل سے محوِ دُعا ہیں

جگرؔ پر ہو مبذول بخشش خُدا کی
مِلے اُس کو قُدرت سے نعمت خُدا کی

جناب رام لعل
وائس چیئرمین اُتر پردیش اُردو اکاڈمی، لکھنؤ

شاعری کو الہامی اور وجدانی کہا گیا ہے۔ اِس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ شاعری ہی ادب کی ایک ایسی صنف ہے جو ذہن کے ایسے ایسے نہاں خانوں سے نکل کر آتی ہے جن کے اسرار کے بارے میں خود اِنسان ابھی تک بے خبر ہے۔ شاعری کی بعض وجدانی کیفیات، علم غیب کے تحت بھی آتی ہیں لیکن یہ صنف اپنی تمام تر پُر اسراریت، وجدانیت، شعریت اور موسیقیت کے باوجود اِنسانی فطرت اور کائنات کے رموز کے بارے میں ایک ایسا سچّا اور پاکیزہ اظہار ہے جو ایک طرف تو دِلوں میں جوشش بن کر اُترتا ہے دوسری طرف ذہنوں پر ایک آفاقی آگہی کی صُورت میں حاوی رہا ہے۔

جگر جالندھری نے اپنی ذات کے اِظہار کے لئے ایسے معاملات اور موضوعات چُن لیے ہیں جو شعر کی صُورت میں ڈھل کر ہمارے رگ و پے میں ایک نیا احساس بن کر گھُل مِل جاتے ہیں۔ اِس لئے مَیں خُود کو اُن کے ذاتی تجربات میں بھی شریک محسوس کرنے پر مجبُور ہو جاتا ہُوں۔

جناب امرچند قیسؔ جالندھری

شری دھرم پال جگرؔ کے والدِ ماجد لالہ دلیراج جو کھتری برادری کے اعلےٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، تقسیم وطن کے بعد جب اُن کی زمین اور جائداد پاکستان کے علاقہ میں چلی گئی، جالندھر آکر مقیم ہو گئے۔ جہاں جگرؔ صاحب نے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی شاعری کا شوق ابتدائی جماعتوں سے تھا۔ اپنے آپ کو جالندھری لکھنے لگے ورنہ وہ سارنگدیو ضلع امرتسر کے رہنے والے ہیں۔

آج جگرؔ صاحب کی ہستی کسی تعارف کی محتاج تو نہیں، لیکن پھر بھی نہایت مختصر طور پر اس سلسلے میں کچھ سپردِ قلم کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کے بعد اُن کی شاعری اور فن کے متعلق روشنی ڈالی جائے گی جو اصل موضوع مضمون ہے۔

جناب جگرؔ ایک مرنجاں مرنج انسان ہیں۔ رہن سہن سادہ، لیکن معیارِ زندگی بلند، خوش پوش۔ سب سے دوستانہ طور پر ملتے ہیں۔ بڑوں کی تعظیم اُن کے مذہب میں شامل ہے۔ چھوٹوں کا لحاظ ہمیشہ مدِنظر رکھتے ہیں۔ سماج میں انہیں قدرتی طور پر قدر و منزلت سے دیکھا جاتا ہے۔ اب وہ مستقل طور پر پٹیالہ ہی میں مقیم ہیں جہاں انہوں نے اپنا مکان تعمیر کر لیا ہے جو ادبی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ کوئی دِن خالی نہیں جاتا جب کوئی نامور شاعر یا ادیب اُن کے ہاں نہ آئے۔ اور اُردو زبان کے سلسلے میں مذاکرات نہ ہوں۔ اُن کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے اور وہ تکلف سے کام لیتے ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں۔ اے ذوقؔ! تکلف ہے شرافت کی نشانی۔ اور جگرؔ شرافت کی زندہ تصویر ہیں۔ اُن کا اندازِ گفتگو نہایت دلکش ہے۔ انہیں ایک نظر دیکھنے کا مطلب

یہ ہے کہ اُن سے ہمیشہ کے لئے محبت ہو جاتی ہے

جگرؔ کا مطالعۂ مذاہب بھی وسیع ہے لیکن وہ ایک آزاد خیال اِنسان ہیں اور اِنسانیت کے مذہب میں یقین رکھتے ہیں۔ زبان اور ذات پات کی دیواریں اُن کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔ وہ اگرچہ ہندوستانی محبِّ وطن ہیں لیکن وہ عالمگیر عقیدت کے مالک ہیں۔ جغرافیائی قیود اُن کیلئے بے معنی ہیں۔

جگرؔ حضرت جوشؔ ملسیانی دبستانِ شاعری سے تعلق رکھتے ہیں جو داغؔ دہلوی کے آخری جانشین تھے۔ اگرچہ جگرؔ صاحب نے حضرت جوشؔ سے بھی استفادہ کیا لیکن اُن کی اجازت سے حضرت ساحرؔ سیالکوٹی کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ جو حضرت جوشؔ کے ایک سرکردہ شاگرد رشید ہیں اور بذاتِ خود اُستاد۔ جن کے اپنے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جگرؔ صاحب کی طبعِ سلیم نے ساحرؔ صاحب کی رہنمائی میں مشقِ سخن جاری رکھی اور جلد ہی فارغ الاصلاح ہو گئے۔

حضرت جگرؔ کا بیشتر کلام محاسن کا آئینہ دار ہے اور معائب سے پاک کیونکہ وہ بذاتِ خود اعلےٰ تعلیم یافتہ ہیں اور اُن کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ اُن کے کلام میں خاندانی روایات کے مطابق بازاری پن، اِبتذال اور عُریانی نہیں بلکہ وہ سنجیدہ اور متین ہے۔ اِس معیارِ کُش بناسپتی دور میں وہ گُمراہی سے بچے اور ثابت قدم رہے۔ اُن کا اندازِ بیاں الجھنوں سے پاک ہے۔ اُن کی ترقی پسندی اور جِدّت میں بے معنویت کا نام و نشاں نہیں۔ اُن کی آمد کا کیا کہنا۔ آورد، تصنّع اور تکلّف نزدیک نہیں پھٹکنے۔ وہ تعقید ثقالت ضعفِ بیاں، غرابت وغیرہ سے دُور رہتے ہیں۔

چُوں کہ وہ بلند پایہ اِنسان ہیں اِس لئے اُن کا کلام بھی بلند پایہ ہے۔ بیان کی شگفتگی زبان کی صفائی سادگی، سچائی اور شائستگی اُن کے کلام کے جوہر ہیں۔ وہ خوش اطوار ذی شعور، سلیقہ مند اور مہذب ہیں۔ یہ سب کچھ اُن کے رنگِ بیاں سے عیاں ہے۔ وہ عروض سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن

میدانِ تغزل کے شہسوار ہیں۔ اُن کے نزدیک غزل شاعری کی جان ہے۔ وہ پیشہ ور شاعر نہیں باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں جس کی مُہر اُن کے رنگِ کلام پر ثبت ہے۔

اُن کی تنقید اور تحقیق کا پایہ بھی بہت بلند ہے۔ اُنہیں مشکل بحروں اور سنگلاخ زمینوں پر عبور حاصل ہے جس کی تعریف خود حضرت جوشؔ ملسیانی بارہا کر چکے ہیں۔ اور ساحرؔ سیالکوٹی صاحب کو خود اپنے شاگردِ رشید جگرؔ جالندھری پر بجا ناز ہے کیونکہ اُن کا کلام بوسیدہ اور فرسودہ نیز عام اور عامیانہ مضامین سے پاک ہوتا ہے اکثر اشعار تیر و نشتر ہوتے ہیں جو بغیر یاد کئے یاد ہو جاتے ہیں۔ یہ خاصہ وصف کسی کسی شاعر میں پایا جاتا ہے۔

حضرت جگرؔ جالندھری ہندوستان بھر کے مشاعروں کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی وژن کے پروگراموں میں بھی شرکت فرماتے ہیں۔ پنجاب میں مشاعرے اُن کی بدولت کامیاب سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کی تخلیقات مُلک بھر کے مُقتدر رسائل و جرائد میں احترام کے ساتھ شائع ہوتی ہیں۔

شاعرِ موصوف کی اعترافِ قابلیت میں مختلف مقامات پر ادبی انجمنوں اور کلبوں کی طرف سے "جشنِ جگرؔ" دھوم دھام سے ہوتے آئے ہیں۔ جن میں آل انڈیا مشاعروں پر اُن کی خدمت میں تھیلیاں اور سپاس نامے پیش ہوتے رہے ہیں۔ علاوہ بریں پنجاب گورنمنٹ (بھاشا وبھاگ) اور یُو۔ پی اُردو اکاڈمی نے بھی اوّل درجہ کے اِنعامات سے اُنہیں نوازا ہے۔

جناب کپور سنگھ گھمن

ڈائریکٹر بھاشا وبھاگ پنجاب

پُر وجیہہ و پُر وقار چہرہ، خوبصورت دِل اور بہتر شاعری ایک عجیب و نادر امتزاج ہے۔ مگر جناب جگرؔ جالندھری اِن تمام اوصاف سے متصف ہیں۔ قدرت نے اِن سب عطیّات سے آپ کو بہرہ ور کیا ہے۔ اپنی خُدا داد قابلیت کی بدولت آپ نے اُردو شاعری میں اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا ہے اور عرصۂ قلیل میں ہی اپنی دھاک بٹھا دی ہے۔ آپ کا کلام اُردو کے موقّر جریدوں کی زینت ہوتا ہے اور مشاعروں میں آپ کی غزلوں پر دِل کھول کر داد دی جاتی ہے۔

جگرؔ جالندھری نے ہر صنفِ سُخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ مگر غزل میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ اِس لئے آپ کو غزل کے مَیدان کا شہسوار کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ جگرؔ جالندھری شاعری کی قدیم روایات کے پرستار ضرور ہیں مگر کہنہ اقدار کو جدید رنگ میں پیش کر کے آپ نے اپنی وضع داری کو جس طرح نبا ہا ہے وہ کچھ اُنہیں کا حِصّہ ہے۔ قارئین و سامعین آپ کے کلام کو پڑھ و سُن کر دم بخود رہ جاتے ہیں۔ زورِ بیان اور حُسن تخیّل کا سنگم شاذو نادر ہی دیکھنے کو ملتا ہے مگر جگرؔ جالندھری نے بلند مضامین کو نہایت ہی سادہ، سلیس اور محاورے دار زبان میں اِس طرح باندھا ہے کہ اِس نوجوان شاعر پر رشک آتا ہے۔

جگرؔ جالندھری کے اشعار میں زبان کی سلاست، خیالات کی پاکیزگی، اِستعارات و کنایات کا صحیح اِستعمال، محاورہ بندی، کلام کی پُختگی اور اسلوبِ بیان خاص اہمیّت کے حامل ہیں۔ سوز و گداز، نفاست و لطافت، تخیّل کی جدّت اور مضمون آفرینی آپ

کے فن کا کمال ہیں۔ جگرؔ صاحب کا ایک شعر ہے ؎

اشعار سب جگرؔ نے کیا دِل نشیں کہے ہیں
گُونجی ہے خُوب محفل تحسین و آفریں سے

بلاشُبہ یہ شعر اُن پر مُوزوں آتا ہے۔ اور یہ بات پُورے وثُوق سے کہی جا سکتی ہے کہ جگرؔ جالندھری محبّتِ اُردو کے جذبہ سے ہمیشہ سرشار رہیں گے اپنی بلند پایہ شعری تخلیقات کے ذریعے اُردو داں طبقے میں مقبُولیت کی چوٹیو کو سر کریں گے۔

جناب رام کرشن مُضطؔر

جناب جِگرؔ جالندھری دَورِ جدید کے مُستقل مزاج، راست رَو اَور
ائندہ شاعر ہیں۔ اُن کی شہرت و مقبُولیت اب پنجاب تک ہی محدُود نہیں
ر وہ سارے ہندوستان اَور پاکستان کے ادبی حلقوں میں متعارف ہو
ہ ہیں۔ اُن کا کلام ہر جگہ توجّہ سے پڑھا جاتا ہے اَور اِشتیاق سے سُنا جاتا
ہے۔ جناب جِگرؔ جالندھری قادر البیان حضرتِ ساحرؔ سیالکوٹی کے ارشد
ندہ میں سے ہیں۔ زبان کی شگُفتگی، فصاحت، الفاظ کی نغمگی و موسیقی،
مُون کی جِدّت، تازگی، نازُکی، گیرائی و گہرائی اَور جذبات و احساسات کا
ر اُن کے شعر میں وہ بات پَیدا کرتا ہے۔ جیسے "از دِل خیزد و بر دِل ریزد"
تے ہیں۔ "فنُونِ جِگر" جناب جِگرؔ جالندھری کا تیسرا مجموعۂ کلام ہے جو
اظ سے قابلِ قدر اَور لائقِ ستائش ہے۔ مُجھے یقین ہے کہ اربابِ نظر
فنُونِ جِگر" کو اپنے دِل میں جگہ دیں گے۔

پروفیسر آزاد گلاٹی

جگر جالندھری کی شاعری اُن کی شخصیّت کا خلوص نامہ ہے۔ وہی شائستگی وہی ٹھہراؤ، وہی نظم وضبط اور وہی خُودداری و سرشاری جو اُن کی شخصیّت کا خاصہ ہیں۔ اُن کی شاعری کی شناخت بھی بن گئی ہیں۔ اُن کی شخصیت کی منجملہ صفات کو اُن کا یہ شعر پورے شاعرانہ خلوص کے ساتھ بیان کرتا ہے ؎

پھولوں سے پتھّروں کا دیا کرتے ہیں جواب
اپنا چلن ہے شاخِ ثمردار کی طرح

اور یہ شاخِ ثمردار اُن کی شخصیّت سے نمُو حاصل کرکے اُن کے فن تک پھیلتی پھُولتی چلی گئی ہے۔

جگرؔ بنُیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور غزل کے بنُیادی موضُوعات یعنی حُسن و عشق اُن کی غزل کے بھی بنُیادی عناصر میں سے ہیں۔ جگرؔ جہاں حُسن کی طہارت اور کرامات کے قائل ہیں وہاں عشق کی خُودداری اور تمکنت کے حامی بھی ہیں۔ اُن کے ہاں صرف حُسن ہی لاجواب نہیں، عشق بھی بے مثال ہے۔ دولتِ حُسن کی خواہش بھلے ہی شہنشاہوں کو گداگر بنا دے لیکن اُن کا سرِ عشق غرورِ حُسن کے آگے سرنگُوں نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ دِل میں شوقِ کامل ہو تو سارے حجابات خُود بخُود اُٹھ جاتے ہیں۔

حُسن و عشق کے اِس رابطہ کی چھوٹ اُن کے دیگر تصوّرات پر بھی پڑتی ہے وہ انسان کو خالقِ مطلق کی قوّتِ تخلیق کا ایک نادر کرشمہ مانتے ہیں۔ اور خالق اور اُس کی تخلیق کے مابین ہر قسم کی دُوئی کو ردّ کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا شوقِ کامل جو حجابات اُٹھاتا چلا جاتا ہے اُن میں وہ حجابات بھی شامل ہیں جو انسان

ور خُدا کے درمیان حائل ہیں ۔ انکشافِ ذات کے ایسے ہی لمحوں میں انہیں یہ
شارت افروز احساس ہوتا ہے کہ اُن کی اپنی ذات ہی میں خُدا کی ذات اور
اس کے سارے کرشمات جلوہ فرما ہیں ۔ اُن کی انسان دوستی کے جذبہ میں
ں یہی عقیدہ زیریں لہر کی طرح رواں ہے اور یہی اُن کے جذبات کی تہذیب بھی
تا ہے اور انہیں شائستگی اور متانت بھی عطا کرتا ہے ۔

جگر صاحب شاعری کے اُس سکول سے وابستہ ہیں جس نے فنِ شاعری
ں نوک پلک سنوارنے میں درجۂ امتیاز حاصل کیا ہے ۔ صحتِ زبان، محاورہ
ندی اور تراکیب کی چستی کے ساتھ ساتھ غزل کے فنی لوازمات کی عقیدت
مندانہ پابندی نے انہیں اپنے جذبات کو صاف ستھرے شعری قالب عطا کرنے
ی صلاحیت بخشی ہے اور وہ اِس صلاحیت کو اِس طرح بروئے کار لاتے ہیں
فنی محاسن جذبہ کے شعری اظہار میں کہیں بھی حائل نہیں ہوتے ۔ اِس طرح
تخلیق و ترسیل کے سبھی مراحل وہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے بہت موثر
نداز سے طے کر جاتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے بیشتر اشعار قاری کے
ل میں نہ صرف فوری طور پر اُتر جاتے ہیں بلکہ اُن کی صدائے بازگشت سے
ں اُس کے ذہن و دل پہروں سرشار رہتے ہیں ۔

جناب پریم کمار نظرؔ

تقسیم وطن کے بعد ہمارے پنجاب کی اُردو شاعری کافی دِنوں تک ادبی گر بندی اَور باہمی کھینچا تانی کا شکار رہی۔ بیشتر شعرا تخلیقِ عمل سے نہ گزر کر تفریحی عمل رسیا بنے رہے۔ اُستادی شاگردی کا رواج بھی عام رہا۔ بعض اُستاد تو قطب کی آخری منزل پر ایسے بیٹھے کہ بس خُلد ہی میں معلّق ہو کر رہ گئے۔ اپنے پاؤں تلے زمین سے رِشتہ ہی توڑ لیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف شعر کی تخلیق کے بجائے "شعر کا سا ماحول پیدا ہو گیا۔ جدید ذہن کی اُلجھنیں اَور اُن سے پیدا شدہ نفسیاتی مسا ایسے شعرا کے لئے شعر کا موضوع ہی نہ رہے بلکہ یہ لوگ عروض، فن، فصاحت، بلا اَور متروکات جیسی ضمنی ادبی اصطلاحات کے آہنی جنگلے میں قید نظر آنے لگے۔

داغؔ دہلوی غالباً اُردو کے پہلے غزل گو ہیں۔ جنہوں نے اپنی میٹھی اَور شُریلی آواز سے ایوانِ غزل کو مترنّم کیا۔ پیچیدہ اَور گنجلک ترکیبوں اَور فارسی و عربی کے غیر مانوس اَور موٹے موٹے الفاظ سے اُردو غزل کو آزاد کیا۔ لیکن پنجاب کے یہ اُستاد اپنے "ذہنی اُستاد" کے فن کی رُوح تک اگر نہیں پہنچ سکے تو قصور داغؔ دہلوی کا ہرگز نہیں ہے۔ سِتم بالائے سِتم یہ کہ اِن نام نہاد اُستادوں کو ایک اَور سچے اَور عظیم ماہرِ فن اَور داغؔ سکول کے نمائندہ شاعر حضرت جوشؔ ملسیانی (مرحوم) کی قیا بھی نصیب ہوئی۔ لیکن ماسوائے دو ایک شعرا کے دوسرا کوئی بھی حضرت جوشؔ ملسیانی کے پیروں کی گرد تک کو نہ پہنچ سکا۔ قبلہ جوشؔ ملسیانی کے چشمۂ فن سے سیراب ہونے کا شرف حاصل ہوا تو وہ "دوسری نسل" کے چند ایک شاعروں ہی کو ہوا۔ کہ اِن میں شاعری کی "خداداد توفیق" ہونے کے علاوہ اپنے دِل و دماغ کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا سلیقہ بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔ جگرؔ جالندھری اِس دُوسری نسل کے شعرا میں سب سے بہتر

ہیں ۔ آج جِگرؔ پنجاب کے اُن گِنے چُنے شعرا میں شُمار ہوتے ہیں ۔ جِن کے ہاتھ میں اُردو غزل کا مُستقبل محفُوظ سمجھا جانے لگا ہے ۔

جِگرؔ جالندھری نے داغؔ کی تقلید کرتے ہوئے اپنی غزل میں وُہ لطافت برتی ہے جس کی یہ صِنف "مُتمنّی" ہے ۔ شاعری کچھ اور کرے نہ کرے لیکن جمالیاتی تقاضے تو پُورے کرتی ہے اور پھر داغ دہلوی یا حضرت جوشؔ ملسیانی نے یہ کہاں کہا ہے کہ صِرف ایسے شعر ہی کہے جائیں جِن کو سُن کر دیکھو کہ اِن دِنوں لوگ شعر پڑھتے کہاں ہیں) لوگ محظوظ ہونے کی بجائے قہقہے لگائیں ۔

جِگرؔ کی غزل جدید انسان کے جِسمانی ، ذہنی ، نفسیاتی اور معاشی مسائل کا احاطہ بھی کرتی ہے اور تجزیہ بھی ۔ کبھی کبھی اِن مسائل کا حل بھی پیش کرتی دِکھائی دیتی ہے ۔ جِگرؔ اپنے دُوسرے بیشتر ہم عصروں اور "اُستاد بھائیوں" کی طرح غزل کی صِرف ظاہری زیب وزینت پر ہی توجّہ صرف نہیں کرتے بلکہ اِسے "تقاضوں" کے حوالے سے بھی برتتے ہیں ۔ جِگرؔ صاحب سے جہاں تک ہو سکا ہے ۔ اُنہوں نے بُنیادی خیال کو فن کی بل بیدی پر قُربان کرنے سے احتراز کیا ہے ۔ اور شاید یہی پہلُو اُن کو اپنے سکُول کے دُوسرے شعرا سے ممتاز بناتا ہے ۔

بطورِ اِنسان جِگرؔ جالندھری اپنی شاعری سے کہیں آگے ہیں ۔

تضمین

بر شعرِ مرزا غالبؔ

لاکھ خوشیاں ملیں ہر ایک نَفَس　　کوئی ارماں رہے نہ کوئی ہوس
زِندگانی کے دِن ہوں پانچ نہ دس　　تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دِن پچاس ہزار

غزلیات

حمد

میرے لب پر نام ترا
ہے یہ خاص انعام ترا

وہ ذرّہ خورشید بنا
جس پہ ہوا اکرام ترا

کوئی ترا آغاز نہیں
کوئی نہیں انجام ترا

دل کا سکوں ہے یاد تری
راحتِ جاں ہے نام ترا

تیرے حوالے خود کو کیا
آگے اب ہے کام ترا

اِس رِشتے پر نازاں ہُوں
کہتے ہیں لوگ غُلام تیرا

دِل میں ہے تصویر تیری
ہونٹوں پر ہے نام تیرا

تُجھ کو پاؤں دے کر جان
اِتنا سستا دام تیرا؟

جب دُنیا سے جائے جِگرؔ
لب پر ہو بس نام تیرا

غم ہمارے ہی لئے ہوں یہ ضروری تو نہیں
ہم نے آنسو ہی پئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

تم کو بھی کچھ تو جدائی نے ستایا ہو گا
ہمیں مر مر کے جیئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

میری فطرت بھی تو ہو سکتی ہے آزار طلب
تمہیں نے رنج دیئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

چاک دامن جو کئے پھرتے ہیں ان لوگوں نے
چاک سینے بھی کئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

مدعا جینے کا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے
تیرے وعدے پہ جیئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

سی لئے چاکِ گریباں ترا دِل رکھنے کو
چاک دِل کے بھی سِئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

ہم اُنہیں کے لِئے ہوں یہ تو ضروری ہے مگر
وہ ہمارے ہی لِئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

خونِ دِل سے بھی تو ہو سکتی ہیں سُرخ آنکھیں جگرؔ
ہم نے ساغر ہی پِئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

○

کسی سے ربط نہیں ہے کسی سے پیار مجھے
نہ جانے رہتا ہے پھر کس کا انتظار مجھے

ہر ایک سانس مری عمر کو گھٹاتی ہے
نفس کا تار ہے گویا کفن کا تار مجھے

مری بہار کو موسم کا انتظار نہیں
کوئی جو ہنس کے ملا، مل گئی بہار مجھے

نہ بے قرار ہو تو میری بے قراری پر
تڑپ تڑپ کے خود آ جائے گا قرار مجھے

یہ دل کا آئینہ اب توڑنے کے قابل ہے
دکھائی دیتا نہیں اس میں روئے یار مجھے

کسی کے حسن کی میں نے بہار دیکھی ہے
چمن کے پھول دکھاتے ہیں کیا بہار مجھے

یہ خود فریبی ہے میری کہ خود فراموشی
نہ آنے والے کا رہتا ہے انتظار مجھے

مرے وجود سے حرکت تو ہے زمانے میں
اگرچہ موج کی صورت نہیں قرار مجھے

مرے چمن ہی سے وابستگی ہے دونوں کی
عزیز کیوں نہ ہوں پھولوں کے ساتھ خار مجھے

جگر کے خون سے آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں
سمجھ رہا ہے زمانہ شراب خوار مجھے

رکھتے ہیں تجھے دِل میں محبّت کی طرح ہم
رہتے ہیں تیرے دِل میں کدُورت کی طرح ہم

اِس جنم میں ہم تجھ سے جُدا ہو نہیں سکتے
آ بیٹھے ہیں دِل میں تِرے حسرت کی طرح ہم

کوئی نہیں ایسا جو سُنے بات ہماری
اِس دَور میں گویا ہیں نصیحت کی طرح ہم

تُم کھاؤ قسم ہاتھ مِرا ہاتھ میں لے کر
بدلیں گے کبھی ہاتھ نہ دَولت کی طرح ہم

جس روز سے اے دوست جُدا تُم سے ہُوئے ہیں
ہر اِک کے گلے پڑتے ہیں آفت کی طرح ہم

وہ ہم کو نگاہوں سے گرا کر بڑے خوش ہیں
تھے اُن کے لئے اشکِ ندامت کی طرح ہم

گو وقت نے چکر میں ہمیں رکھا ہے۔ لیکن
مرکز پہ رہے سوزنِ ساعت کی طرح ہم

افسانے کی مانند ہمیں بھولنے والے!
ہوں گے ترے ہونٹوں پہ کہاوت کی طرح ہم

بس اتنی تمنا ہے جگرؔ باغِ جہاں میں
اُس گل کے رہیں ساتھ ہی نکہت کی طرح ہم

ے دوست! ترے ہجر میں تکلیف بڑی ہے
ب ایک گھڑی مجھ کو قیامت کی گھڑی ہے

د کہتا تھا مر کر مجھے آرام ملے گا
س شخص کی چوراہے میں اب لاش پڑی ہے

ے رات کی ہے بات کہ وہ بچھڑے تھے ہم سے
ں دن سے وہیں کی وہیں وہ رات کھڑی ہے

ں اور سرِ عام ترے عشق کا دعوے
ہ چھوٹا ہے حضرت کا مگر بات بڑی ہے

خوب نظارہ ہے ترے جلووں کا دل میں
ینے میں سو رنگ کی تصویر جڑی ہے

یہ عشق کہیں آگ بنا ہے کہیں پانی
دِل جلتا ہے اور آنکھوں میں اشکوں کی جھڑی ہے

دامن تری اُلفت کا کہیں چھوٹ نہ جائے
آزار و مُصیبت کی ہوا تیز بڑی ہے

خودداری کی دولت بھی تو کچھ کم نہیں اے دِل!
بے شک تجھے اِس کام میں تکلیف بڑی ہے

یہ آپ کی محفل ہے کہ میدانِ قیامت
جس کو بھی یہاں دیکھو اُسے اپنی پڑی ہے

اُس پیڑ کی صُورت ہے جگرؔ اپنی تمنّا
پھل آتا نہیں جس پہ مگر چھاؤں بڑی ہے

○

ہے راہِ وفا پیشِ نظر دیکھئے کیا ہو
مُشکل ہے بہت اِس کا سفر دیکھئے کیا ہو

اُمیدِ سحر میں شبِ غم کاٹ رہے ہیں
حال اپنا مگر وقتِ سحر دیکھئے کیا ہو

دِل میں ترے در تک ہے پہنچنے کی تمنّا
کم عُمر ہے لمبا ہے سفر دیکھئے کیا ہو

طُوفانوں کے حملے ہیں مِرے گھر پہ مُسلسل
دیواریں بنی جاتی ہیں دَر دیکھئے کیا ہو

اُس غیرتِ خُورشید کے دیدار کی خاطر
ٹکرائی ہے جلووں سے نظر دیکھئے کیا ہو

دِل اِن دِنوں دُکھ ۔ درد مُصیبت کی ہے زد میں
اِک کشتی ہے کتنے ہیں بھنور دیکھئے کیا ہو

پتھّر کو تو یہ موم بنا دیتی ہیں، لیکن
اُس بُت پہ اِن آہوں کا اثر دیکھئے کیا ہو

مرنے کی تمنّا میں جئے جاتے ہیں جو لوگ
حشر اُن کا پسِ مرگ جگرؔ دیکھئے کیا ہو

ہو نہ کچھ بات مگر شور مچائے رکھنا
اِس طرح اَوروں کو ہمدرد بنائے رکھنا

تم اگر چاہتے ہو سب تمہیں ہنس ہنس کے ملیں
اپنا غم اپنے ہی سینے میں چھُپائے رکھنا

دُور کرنا نہ کبھی جلووں کو میرے دِل سے
اِس چمن کو اِنہیں پھُولوں سے سجائے رکھنا

اِس سے پُرنُور ہوا میری تمنّا کا دِیا
رخِ روشن سے یُونہی پردہ اُٹھائے رکھنا

یہ ہمارا ہی کلیجہ ہے کہ تیرے غم کو
دِل کی مانِند کلیجے سے لگائے رکھنا

یہ ادا اُن کی مسیحا بھی ہے قاتِل بھی ہے
سامنے آ کے نِگاہوں کو جُھکائے رکھنا

تم اگر چاہتے ہو کوئی تمنّا نہ رہے
ہاتھ ہر ایک تمنّا سے اُٹھائے رکھنا

درِ محبوب پہ ہر وقت پڑے رہنا جِگر
یعنی اُس در کو درِ کعبہ بنائے رکھنا

○

دردِ دِل کی دوا نہ ہو جائے
زندگی بے مزا نہ ہو جائے

لُطف دیتی ہے کیا اُمیدِ وفا
بے وفا، باوفا نہ ہو جائے

کیسے بے تاب اُن کو دیکھوں گا
آہ یارب! رَسا نہ ہو جائے

دِل میں حسرت بسا تو لی ہے، مگر
یہ کڑی سِلسِلہ نہ ہو جائے

اپنی دُنیا اِسی سے روشن ہے
گُل چراغِ وفا نہ ہو جائے

ہم ستم کو کرم سمجھتے ہیں
اُن پہ یہ راز وا نہ ہو جائے

اِک زمانہ ہے اُس کا دیوانہ
کہیں وہ بُت خُدا نہ ہو جائے

دِل ہی سب سے بڑا سہارا ہے
دِل کِسی سے جُدا نہ ہو جائے

تم اگر چھُو لو اپنے ہونٹوں سے
شعر میرا ترانہ ہو جائے

دِل لُٹا کر جِگرؔ ہماری طرح
کوئی بے آسرا نہ ہو جائے

○

خون روئے گی شب و روز، یہ رونا کیا ہے
چشمِ تر! تُو نے ابھی عشق میں دیکھا کیا ہے

ہم ہیں انجامِ محبّت سے بخُوبی واقف
ہم کو اے ناصحِ ناداں! تُو ڈراتا کیا ہے

مُجھ کو بس اپنا پرستار سمجھتے رہیئے
یہ تمنّا ہے مِری اور تمنّا کیا ہے

پسِ پردہ تِرا ہنسنا، تِرا باتیں کرنا
پُھول کا کِھلنا، شگُوفے کا چٹکنا کیا ہے

جِس کے دِل میں تِرا جلوہ ہو مکیں، اُس کے لئے
بُتکدہ کیا ہے، حرم کیا ہے، کلیسا کیا ہے

تیرے انجام پہ بھی گریہ کناں ہے شبنم
اُس کے انجام پہ اے پھُول تو ہنستا کیا ہے

رنگ اشکوں کا گلابی سا ہے، ہم کیا جانیں
خُونِ دِل، خُونِ جِگر، خُونِ تمنّا کیا ہے

رسمِ دُنیا کی جگہ عشق کو پروا کیوں ہو
جو ہو پابند کناروں کا وُہ دریا کیا ہے

اِس طرح سامنے وہ آتے ہیں
دیکھا جاتا نہیں نِگاہوں سے

تیری رحمت کو رکھ کے مدِّ نظر
دِل کو بہلا لیا گُناہوں سے

وہی دِل کے قریب رہتے ہیں
دُور رہتے ہیں جو نِگاہوں سے

جب سے دھوکے دِئے ہیں دِل نے مجھے
بچ کے رہتا ہوں خیر خواہوں سے

ذرّہ ذرّہ مہک اُٹھا ہے جگرؔ
کون گذرا ہے دِل کی راہوں سے

○

عمرِ دو روزہ نے آرام سے رہنے نہ دیا
مجھ کو جی بھر کے ترا جَور بھی سہنے نہ دیا

خود نمائی کی ہوا ایسی چلی، جس نے کہیں
ایک بھی پردہ نشیں پردے میں رہنے نہ دیا

موج زن دل میں سمندر تھے، مگر اُن کے حضور
ضبطِ کم بخت نے اِک اشک بھی بہنے نہ دیا

ہم تو کچھ بھی نہیں ہیں، تیری طلب نے شب و روز
چاند سورج کو بھی آرام سے رہنے نہ دیا

گھر میں، محفل میں، چمن زاروں میں صحراؤں میں
بے قراری نے کہیں چین سے رہنے نہ دیا

آگ لگ جائے جگر ایسی وفاداری کو
جس نے قاتل کو بھی قاتل ہمیں کہنے نہ دیا

روکیں لاکھ زمانے والے
آ جاتے ہیں آنے والے

جشن مناتے ہیں مُردوں کا
زِندوں کو دفنانے والے

ہم میں تابِ دید نہیں ہے
او ہم سے چھُپ جانے والے

ہم جب جانیں دِل کی تڑپ کو
خود تڑپیں تڑپانے والے

روتے اور رُلاتے دیکھے
ہنسنے اور ہنسانے والے

یہ بھی پیاسا، وہ بھی پیاسا
ہوش کر اے مَیخانے والے

دُور ہی منزل سے رہتے ہیں
بیٹھے ہی تھک جانے والے

تم مغرور رہو کیوں جلووں پہ
پھول ہیں یہ مُرجھانے والے

تُو کبھی دانا ہو نہیں سکتا
ناداں سے ٹکرانے والے

شعرِ جگرؔ کے سب ہوتے ہیں
محفل کو گرمانے والے

کس کا لب پر مِرے فسانا ہے
ہمہ تن گوش اِک زمانا ہے

زِندگی ایک خواب ہے، لیکن
اِس حقیقت کو کس نے جانا ہے

کس طرح تم کو چھوڑ دُوں یک لخت
اِس سے رِشتہ بہت پُرانا ہے

اَور تھوڑی سی کیجیئے تکلیف
دو قدم پر غریب خانہ ہے

آپ کے لَوٹنے کی دیر ہے بس
عمرِ رفتہ کو لَوٹ آنا ہے

زندگی تجھ سے کیا میں پیار کروں
چال تیری مُسافرانا ہے

رُوبرُو دِل کے ہے وہ شوخ نظر
برق کی زد میں آشیانا ہے

ہے تمنّا کسی سے مِلنے کی
مَوت تو اے جگر بہانا ہے

○

جب وہ نامہرباں نہیں ہوتا
آسماں آسماں نہیں ہوتا

ہم زمانے سے کیا اُمید کریں
تُو ہی جب مہرباں نہیں ہوتا

کہاں آرام ڈھونڈنے جائیں
کس جگہ آسماں نہیں ہوتا

میری نظروں سے دُور رہ کر بھی
وہ نظر سے نہاں نہیں ہوتا

عُذر اب کیوں ہے مُجھ سے ملنے میں
مَیں ترے درمیاں نہیں ہوتا

اُس کو نظریں بیان کرتی ہیں
جو زباں سے بیاں نہیں ہوتا

درد کا کیا ثبوت پیش کروں
اِس کا کوئی نِشاں نہیں ہوتا

دیر و کعبہ میں ڈھونڈنے والو!
اُس کا جلوہ کہاں نہیں ہوتا

لاکھ آرام ہوں قفس میں، مگر
پھر بھی وہ آشیاں نہیں ہوتا

اِمتحانِ وفا سے بڑھ کے جگر
کوئی بھی اِمتحاں نہیں ہوتا

ایسی دَولت ہے حُسن جس کے لیے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

ڈال کر عکس وہ آئینے میں بھر دیتے ہیں رنگ
وَرَقِ سادہ کو تصویر بنا دیتے ہیں

سب زندگی کو کہتے ہیں اِک دردِ سر مگر
مرنے کے واسطے کوئی تیّار بھی نہیں

خونِ ناحق نہیں پروانوں کا دیکھا جاتا
ہم چراغوں کو سرِ شام بُجھا دیتے ہیں

زندگانی میں تو دشمن ہی جلاتے ہیں مجھے
مَر گیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لیے

گھیر رکھا ہے مجھے مَوت کی تاریکی نے
اب تو آجاؤ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

مری خودداریوں نے عشق کی دُنیا بدل ڈالی
بنا ہوں منتظِر سے منتظَر آہستہ آہستہ

اِن اشعار میں شگفتگی ہے، پاکیزگی ہے، اظہارِ محبت کی عمدگی ہے اور ایسا

ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی

شری جگر جالندھری ایک شریف النفس، پُرخلوص اور خوش اخلاقی کا مجسمہ ہیں۔ دُنیائے شعروادب میں آپ نے ایک قابلِ رشک بلند مقام حاصل کر لیا ہے۔ آپ کا کلام فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ ضرورت کے مطابق صنائع اور بدائع سے بھی کام لیا گیا ہے۔ شعر اور فنِ عروض پر آپ کو عبور حاصل ہے۔ آپ نے شعر کے ہر پہلو کو مدِّ نظر رکھا ہے۔ شعر کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ انتخابِ الفاظ بلند پایہ ہے۔ جگر صاحب کا کلام رنگینی کے لحاظ سے ایک سچے گلاب کا گلدستہ ہے۔ خیالات کا اظہار اس طرح پیش کیا ہے کہ شعر میں کوئی اُلجھن یا پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ کلام بے حد موثر رنگ ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ خیالات اس خوبی سے تخلیق کیے گئے ہیں کہ ہر شعر سحر اور اعجاز بن گیا ہے۔ ہر شعر سوز و گداز سے بھرپور ہے۔ جگر صاحب ہمارے عہد کے بلند ترین خوش گو شاعروں میں سے ایک ہیں جو ادب کی بہترین قدروں، قیمتوں اور روایات سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں۔ ہمارے اس ہر دلعزیز شاعر نے اُس بلند مقام پر کھڑے ہو کر غزل پیش کی ہے جو باطن و باہر کی دُنیا کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس لئے جگر کی غزل نے افلاک کی بلندیوں اور وسعتوں کو بھی چھوا ہے اور دِل کی گہرائیوں کو بھی۔ شاعر نے غزل میں ایک ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جو سُنتے سُنتے کانوں کے راستے خوابیدہ رُوح کو بیدار کر دیتی ہے ہمارا شاعر قدرت کی رنگینیوں سے کافی محبت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل میں فطرت ہزار ہا رنگوں میں منکشف ہوئی ہے۔ اگر جگر صاحب کی غزلوں

ماہنامہ "شانِ ہند" نئی دہلی

ستمبر ۱۹۸۰ء

"لذتِ جگر" جنابِ جگر جالندھری کا دُوسرا مجموعہ کلام ہے۔ جو ۱۹۷۹ء میں شائع ہونے والے شعری مجموعوں میں صفِ اوّل میں نمایاں مقام رکھتا ہے سرورق قیصر سرمست کے چابک دستِ قلم کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ ہزاروں کتابوں میں اِس حسین وجمیل سرورق کے طفیل اپنی جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ مجموعہ کے شروع میں جگر صاحب نے چار صفحات پر اُن تصاویر کو شائع کیا ہے جو مصنف کے لیئے یادگاری حیثیت کی حامل ہیں۔ اِس کے بعد اپنے اُستادِ محترم قبلہ جوش ملسیانی مرحوم کی اصلاح شُدہ غزل کا عکس اور جناب ساحر سیالکوٹی صاحب کا دُعائیہ اُنہیں کے عکسِ تحریر میں شائع کیا ہے۔ شروع کے ۷۵ صفحات میں قبلہ جوش ملسیانی کا اظہار رائے۔ اُودے سنگھ شائق کا جگر صاحب کی شاعرانہ نازک خیالی پہ اظہار رائے۔ جناب عرش ملسیانی کا جگر جالندھری کی شاعری پر ارشاد گرامی۔ جناب ہما ہرنالوی کا جگر جالندھری کا مقام شاعری۔ جناب ساحر ہوشیارپوری کے جگر جالندھری کی شاعری کے متعلق تاثرات۔ جناب زار علامی کا سُخن ہائے گفتنی۔ جناب وفا پٹیالوی کی طرف سے جگر جالندھری میری نظر میں۔ جناب گنپت سہائے سریواستو مولف اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندوؤں کا حصہ کا رقم کردہ طویل مضمون جگر جالندھری کا مقام شاعری پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن جملہ حضرات نے جگر صاحب کے جو اشعار اپنے مضامین میں اپنی آرائے گرامی کے حق میں بطور ثبوت دیئے ہیں۔ جگر صاحب نے ان اشعار کو مجموعہ میں شامل نہیں کیا۔

غزلیات، نظمیات، قطعات اور متفرقات پر مُشتمل ۱۸×۲۲/۸ سائز کے ۱۶۸ صفحات پر یہ مجموعہ ایسے بہترین کاغذ اور اعلیٰ چھپائی اور روشن کتابت سے مزیّن ہے کہ آپ کی لائبریری میں یقیناً ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوگا۔ ہم اِس مجموعہ کے پسندیدہ ہونے کے بارے میں گارنٹی کر سکتے ہیں کہ اگر آپ کو مجموعہ کسی طور پر بھی پسند نہ آئے تو واپسی کی شرط۔

بلند پایہ شعرأ اور ادیبوں نے جناب جگر جالندھری کے فن اور کلام کی خوبیاں اجاگر کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ؎ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ یعنی عطر کی خوشبو اپنا ثبوت ہوتی ہے۔ اِس کیلئے عطار کی چرب زبانی کی چنداں ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ لختِ جگر میں شامل کلام اِس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کو جگہ جگہ ایسے اشعار ملیں گے جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے ؏ کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجا ست
نمونہ مشتے از خروارے کے مصداق چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

تیرے بدن کی مہک ہے تیرے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گلاب دیکھے ہیں

سو بہاروں سے بھی پھول اِتنے نہ کھِلنے پائیں
جتنے اِک جنبشِ لب سے وہ کھِلا دیتے ہیں

سو سمندر بھی اُسے سیراب کر سکتے نہیں
پیاس جو اپنی بڑھاتا ہے کنارے کی طرح

مرنے کے بعد اُس کو زمیں نے دبا دیا
جو شخص زندگی میں فلک سے دبا نہ تھا

زندگانی میں تو دشمن ہی جلاتے ہیں مجھے
مر گیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لئے

حضور دیکھے ہیں ہم نے جناب دیکھے ہیں
زمیں میں دفن کئی آفتاب دیکھے ہیں

بن کر نیلا پیلا پتھّر
خوب دِکھائے لیلا پتھّر

آئی جوانی کیا اُس بُت پر
شوخ ہوا شرمیلا پتھّر

اندر اُس کے آگ لگی تھی
باہر سے تھا گیلا پتھّر

ہیرا، پنّا کہلاتا ہے
چمکیلا، رنگیلا پتھّر

بے شک پھانسی پر لٹکا دو
کب ہوتا ہے ڈھیلا پتھّر

سنگدلی میں رنگ نہ بدلے
کالا، پیلا - نیلا پتھّر

وہ کوئی دیوانہ ہوگا
جس انسان نے چھیلا پتھّر

جیون زہر کی خاطر کوئی
چاٹ گیا زہریلا پتھّر

چوٹ لگانا کام ہے اُس کا
عرش جگرؔ ہے نیلا پتھّر

جب پڑا عکسِ یار پھولوں پر
آ گیا پھر نکھار پھولوں پر

تیرے چہرے سے ملتے جلتے ہیں
کیوں نہ پھر آئے پیار پھولوں پر

ہم نہیں قائل اُن بہاروں کے
جن کا ہو انحصار پھولوں پر

پیار کرتا ہے کوئی کانٹوں سے
اور کوئی نثار پھولوں پر

کٹ گئے زندگی کے آٹھ پہر
چار کانٹوں پہ چار پھولوں پر

اُن کے رُخسارِ سُرخ پہ آنسو
پڑ رہی ہے پھوہار پھُولوں پر

آندھیاں چل رہی ہیں گلشن میں
جم رہا ہے غُبار پھُولوں پر

شامِ فُرقت میں داغ روشن ہیں
ہے خزاں میں بہار پھُولوں پر

اے جگر! حُسنِ یار حاوی ہے
گلستاں کے ہزار پھُولوں پر

کسی کے در کی ملی یہ دھول مجھے
کیمیا بھی لگے فضول مجھے

حق تو ثابت ہوا گلستاں پر
خار بے شک ہوئے حصول مجھے

آپ کی میٹھی باتوں میں آ کر
زہر کرنا پڑا قبول مجھے

کیا بتاؤں کہ اک خوشی کے لئے
کتنا ہونا پڑا ملول مجھے

زندگانی کے ناز اُٹھاتا ہوں
موت کرتی نہیں قبول مجھے

بھول کر بھی نہ میری یاد آئے
بھولنے والے یوں نہ بھول مجھے

کوئی حسرت نہ کوئی ارماں ہے
زندگی لگتی ہے فضول مجھے

باغِ ہستی سے سرو کی مانند
جگرہ اِک بھی مِلا نہ پھول مجھے

یا رب میرے سوا نہ کسی کو ستائے غم
دُنیا سے جب میں جاؤں میرے ساتھ جائے غم

آنا جو چاہتا ہے میرے پاس آئے غم
میں آزماؤں غم کو مجھے آزمائے غم

کیا فائدہ تڑپنے کا اے مُبتلائے غم
جب موت کے سوا نہیں کوئی دوائے غم

روتا ہوں دُوسروں کی مُسرّت کے واسطے
خوشیوں کو بانٹتا ہوں میں لے کر پرائے غم

پتّھر بنا ہوا ہُوں میں بِنا بیوں کے بعد
وہ اِبتدائے غم تھی، یہ ہے اِنتہائے غم

مِلتی ہے یہ تو چیز کِسی خوش نصیب کو
ہر ایک کا نصیب کہاں ہے کہ کھائے غم

اب آنسوؤں کو پونچھیے، دِل کو سنبھالیے
کہتے تھے بار بار "سُنا ماجرائے غم"

خاطر تواضع اُس کی ہو جب خونِ دِل کے ساتھ
خوش ہو کے کیوں نہ پھر مرے پہلو میں آئے غم

قسمت ہماری اُس کو جگر سونپ دی گئی
کچھ بھی نہیں تھا ہاتھ میں جس کے سوائے غم

○

زِندگی سے تو کوئی آس نہیں
مَوت سے ہے مگر وہ پاس نہیں

کوئی سامان اُس کے پاس نہیں
عِشق شرمندۂ لباس نہیں

دِل تڑپتا ہے اُس کی صُورت کو
جِس کی صُورت سے روشناس نہیں

زِندگی نے وہ دِن دِکھائے ہیں
مَوت سے اب کوئی ہراس نہیں

دِل میں رہ کر ہے اوجھل آنکھوں سے
پاس رہ کر بھی کوئی پاس نہیں

○

جانتا ہے یہ حُسنِ ہوش رُبا
خُود بخُود عِشق بدحواس نہیں

زندگانی برائے نام ہے اب
کوئی اُمیّد کوئی آس نہیں

دُور رہ کر بھی پاس ہیں وہ کبھی
کبھی وہ پاس رہ کے پاس نہیں

تیری مست آنکھوں کی قسم ساقی
جام سے بُجھنے کی یہ پیاس نہیں

اُس کو باہر جو ڈھونڈتا ہے جگرؔ!
تُو بھی اَے دوست باخُود شناس نہیں

موت سے ہوتا نہیں ہے اِختتامِ زِندگی
صِرف اُس سے اِک بدل جاتا ہے نامِ زِندگی

تیرا چہرہ ہو مُقابِل، تیری زُلفیں ہوں قریب
کاش گُزرے اِس طرح ہر صُبح و شامِ زِندگی

دیکھتے ہو کیوں حقارت کی نِگاہوں سے اِسے
چاند تاروں سے بھی اُونچا ہے مقامِ زِندگی

ساقیا! کیا اُس گھڑی ہوگی تِری چشمِ کرم؟
جب چھلک جائیگا ہم رِندوں کا جامِ زِندگی

مُدّتوں سے چل رہا ہوں، کُچھ خبر اِس کی نہیں
کونسی منزِل پہ جا کر ہو قیامِ زِندگی

تیرا ہم سے مُسکرانا، تیرا ہم سے رُوٹھنا
یہ پیامِ موت ہے، وہ ہے پیامِ زندگی

کیا کریں اِس کا بھروسہ، کیا ہو اِس کا اعتبار
موت کی دیواروں پر قائم ہے بامِ زندگی

زندگی نے بھی کیا ہے بس اُسی کا احترام
جس بشر نے بھی کیا ہے احترامِ زندگی

دید کے قابل ہیں اُس اِنساں کی دُور اندیشیاں
موت ہے جس کی نگاہوں میں پیامِ زندگی

دوپہر کی دُھوپ میں پیڑوں کے سائے میں جگر
چلتے رُکتے کٹ گئی ہے صبح و شامِ زندگی

ہر ایک غم کو سمجھ کر تری رضا میں نے
ہزار شکر کیا اور لے لیا میں نے

غریب دل کا نہ سوچا یہ کیا کیا میں نے
کسی کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا میں نے

تمہارے حسن کی تعریف پھر بھی ہو نہ سکی
تمام حسنِ بیاں صرف کر دیا میں نے

جو بات دل میں تھی وہ بات دل میں رہ نہ سکی
تمہارے کہنے پہ گو لب کو سی لیا میں نے

تمہارے جلوے کو دیکھا جو بند آنکھوں سے
تو بند کر دیا آنکھوں سے دیکھنا میں نے

کسی نے پیار سے دیکھا تو یُوں لگا مُجھ کو
تمام دولتِ دُنیا کو پا لیا مَیں نے

ترے کرم کی تھی توہین اے کریم و رحیم!
نہ ہاتھ اُٹھائے نہ مانگی کبھی دُعا مَیں نے

قرار، صبر، جوانی، وقار، دین، ایمان
کسی کے عشق میں سب کچھ لُٹا دیا مَیں نے

ہر اِک سزا کو سمجھ کر لکھا مُقدّر کا
جگرؔ کہا نہ کسی کو بُرا بھلا مَیں نے

اُس زُلف کی توصیف بتائی نہیں جاتی
اِک لمبی کہانی ہے سُنائی نہیں جاتی

دِل ہے کہ مرا جاتا ہے دیدار کی خاطر
ہم ہیں کہ اُدھر آنکھ اُٹھائی نہیں جاتی

اشکوں سے کبھی سوزِ جگر کم نہیں ہوتا
یہ آگ تو پانی سے بُجھائی نہیں جاتی

دِل سے تو ترا داغِ محبّت نہ چھُپے گا
آئینے سے تصویر چُھپائی نہیں جاتی

یارب! کہاں لے جاؤں میں حسرت زدہ دِل کو
یہ لاش تو اب مجھ سے اُٹھائی نہیں جاتی

آہوں سے کمی غم میں نہ ہوگی دِلِ ناداں!
پھُونکوں سے کبھی آگ بُجھائی نہیں جاتی

کیوں اشکِ ندامت نہ بہائیں جگر آنکھیں
جو دِل میں لگی ہے وہ بُجھائی نہیں جاتی

زخم کھایا دِل نے اُلٹا آہِ بے تاثیر کا
خود نشانہ بن گیا صیّاد اپنے تیِر کا

اِس طرح حیران ہوں اُس بُت کی صُورت دیکھکر
سامنا ہو جِس طرح تصویر سے تصویر کا

وہ محبّت کر چُکا، اُس سے محبّت ہو چُکی
جِس کو بدنامی کا ڈر ہے، خوف ہے تشہیر کا

وہ اکیلا ہی نہیں سَو حسرتیں بھی ساتھ ہیں
کیوں نہ بھاری ہو جنازہ عاشقِ دِلگیر کا

دیکھ لینے کی اِجازت مِل تو جاتی ہے مجھے
آپ سے بہتر ہے یہ رُخ آپ کی تصویر کا

مجھ کو دیوانہ بنانے والا موسم آگیا
دوست بندوبست کرنے لگ پڑے زنجیر کا

دل سے کہتا ہے نظر کے تیر کو خوش آمدید
کیا کلیجہ ہے تمہارے عاشق دلگیر کا

تیری صورت دیکھ تو لینے دے پہلے قتل سے
دم نکلتا جا رہا ہے کیوں تری شمشیر کا

آستانِ یار کی مٹی جو ہو جائے نصیب
عمر بھر ہم منہ نہ دیکھیں اے جگر اکسیر کا

O

"بھول جا اب تو اُسے موت چلی آتی ہے"
مجھ کو یاروں کی نصیحت پہ ہنسی آتی ہے

تُو بتا اب میں ترا پیار چھپاؤں کیسے
میری ہر سانس سے آواز تری آتی ہے

کس کو معلوم کہ وہ شخص ہے کس مشکل میں
جس کے لب پر بڑی مشکل سے ہنسی آتی ہے

جلوہ گر رہتا ہے ہر دم جو مرے دِل میں، اُسے
سامنے آتے ہوئے شرم بڑی آتی ہے

اُس کو کس بات کا ڈر ہے یہ خدا ہی جانے
سہمی سہمی سی مرے دِل میں خوشی آتی ہے

دوستو! آپ کا ارشاد بجا ہے، لیکن
دِل میں جب غم ہوں تو کب لب پہ ہنسی آتی ہے

رُخصتِ یار کے بعد اپنی خبر لینے کو
اشک آتے ہیں کبھی، آہ کبھی آتی ہے

کوئی ہنس دیتا ہے جس وقت مرے رونے پر
مجھ کو رونے پہ جگرؔ خود بھی ہنسی آتی ہے

جب قسمت ہوتی ہے برہم
شعلہ بن جاتی ہے شبنم

کس نے غم میں ساتھ دیا ہے
دم دیتا ہے دِل سا ہمدم

جیتے جی مِلنا ناممکن
وہ سورج ہے، ہم ہیں شبنم

میں تو غم سے بہت ہی خوش ہوں
آپ کی آنکھیں کیوں ہیں پُر نم

مست ہیں عیش میں اہلِ محفل
کس کو شمع کے جلنے کا غم

حُسن کی فِطرت اِتنی چنچل
اِک پل شُعلہ، اِک پل شبنم
عِشق کا شیوہ نا مُتغیّر
شُعلہ شُعلہ، شبنم شبنم

سوچ لے اِتنا ہنسنے والے
آنکھ تیری بھی ہوگی پُرنم

تیرے بغیر اے دوست! جگرؔ کو
روزِ عید ہے روزِ مُحرّم

○

جو لوگ اُجالے کو اُجالا نہیں کہتے
ہم اُن کو بُرا کہتے ہیں اچھا نہیں کہتے

جو جوڑ نہ دے ٹوٹے ہوئے تار دِلوں کے
ہم اُس کو محبت کا ترانا نہیں کہتے

جینا اُسے کہتے ہیں جو ہو اَوروں کی خاطر
اپنے لئے جینے کو تو جینا نہیں کہتے

اِنساں کے دِل و ذہن منوّر نہ ہوں جس سے
ہم ایسے اُجالے کو اُجالا نہیں کہتے

حیرت میں کبھی جلوے کو ہم کہتے ہیں پردہ
پردے کو کبھی شوق میں پردا نہیں کہتے

تم سامنے ہو اور تمہیں دیکھ نہ پائیں
ہم ایسے نظارے کو نظارا نہیں کہتے

ہم تم سا حسیں کیسے کہیں شمس و قمر کو
ہر حُسن کو تو حُسن سراپا نہیں کہتے

دل رکھنے کو منہ سے یونہی کہہ دیتے ہیں اچھا
دل سے تو جگرؔ وہ ہمیں اچھا نہیں کہتے

○

چہرے پر آشکار ہے نُورِ آفتاب کا
جلووں سے کام لیتا ہے کوئی حجاب کا

اِک گردِ باد تھا جو اُڑاتا پھرا مُجھے
کیا پُوچھتے ہو کیا تھا زمانہ شباب کا

دھوکے دِئے ہیں مُجھ کو زمانے نے اِسقدر
دریا پہ ہو رہا ہے گُماں اب سراب کا

ڈالی گُلاب کی ہے یہ نازک بدن تیرا
چہرہ تیرا ہے پُھول شگُفتہ گُلاب کا

دریائے مَوج زن ہو کہ ہو مہرِ نیم روز
کوئی نہیں جواب تُمہارے شباب کا

او بے نیاز! اِتنا ہی لِکھ دے جواب میں
"بے کار منتظِر ہے تو خط کے جواب کا"

سُوجھا یہ کیا مذاق تجھے آج ساقیا!
سَو رِند اور ایک پیالہ شراب کا

دیکھا جِگرؔ جب اُن کو لبِ بام بے نقاب
مُنہ فق سا ہو گیا قمر و آفتاب کا

جب کوئی غم ہی نہ ہو اشک بہاؤں کیسے
خود کو دُنیا کی اداکاری سکھاؤں کیسے

تیری ہر ایک جھلک اور بڑھاتی ہے طلب
ایسے میں پیاس نگاہوں کی بجھاؤں کیسے

خود بخود آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑتے ہیں
شدّتِ غم کو چھپاؤں تو چھپاؤں کیسے

چاند تاروں سے ذرا بھی تجھے تسکین نہیں
زندگی! اب میں تری مانگ سجاؤں کیسے

جس کو آنے کی تصوّر میں بھی فرصت نہ مِلے
حالِ دِل اُس کو سناؤں تو سناؤں کیسے

بچ کے دُنیا کی نگاہوں سے خطا کر تو لوں
اپنی نظروں سے مگر خود کو گراؤں کیسے

آگ ہو تو اِسے پانی سے بجھا بھی لوں جگر
یہ لگی دِل کی ہے میں اِس کو بجھاؤں کیسے

○

بشر کو چاہیئے پرہیز کر رہے عہدِ جوانی میں
اِسی وقت آتے ہیں طُوفان بحرِ زندگانی میں

بھری آنکھوں سے شُعلوں کی طرح آنسُو نکلتے ہیں
خُدا جانے لگا دی ہے یہ کِس نے آگ پانی میں

جوانی کا زمانہ گو قیامت خیز ہوتا ہے
مگر اِس کے سِوا کچُھ بھی نہیں ہے زِندگانی میں

یہ فِطرت اپنی چِنگاری اُگلنے کی نہ چھوڑے گی
ہزاروں سال رکھ کر دیکھیئے پتھّر کو پانی میں

کِسی کا مقبرہ بھی قیمتی پتھّر سے بنتا ہے
ترستا ہے کوئی چھپّر کی خاطر زِندگانی میں

کوئی جب مہرباں ہوتا ہے تو دِل کانپ اُٹھتا ہے
نہ جانے کیا نظر آتا ہے اِس کو مہربانی میں

مِرے پہلو میں تُو بیٹھے، تِرے پہلو میں مَیں بیٹھوں
وہ ایسے دِن بھی آئیں چار دِن کی زندگانی میں

مِری آنکھوں میں آنسُو دیکھ کر وہ سہم جاتے ہیں
اُنہیں شاید خبر ہے بجلیاں ہوتی ہیں پانی میں

اُدھر سینے میں شُعلے ہیں، اِدھر آنکھوں میں آنسو ہیں
ہماری زندگانی کٹ رہی ہے آگ پانی میں

زمانہ خُود بخُود مجبُور ہو جائے گا سُننے کو
جِگرؔ کُچھ بات پیدا کیجیے اپنی کہانی میں

دِل سے اب اُن کے وعدوں کو دُہرا رہا ہُوں مَیں
ٹُوٹے ہُوئے کھِلونوں سے بہلا رہا ہُوں مَیں

جب سے ہُوا ہے عِلم مُجھے اپنی ذات کا
سجدے پہ سجدہ خُود کو کئے جا رہا ہُوں مَیں

اِس سے زیادہ کیا ہو ترے غم کا اِحترام
سارے جہاں کی خُوشیوں کو ٹھکرا رہا ہُوں مَیں

جینے کی آرزُو میں مَرے جا رہے ہَیں لوگ
مرنے کی آرزُو میں جِئے جا رہا ہُوں مَیں

مُشکل ہوا ہے اب اُنہیں بے تاب دیکھنا
فریادِ کامیاب پہ پچھتا رہا ہُوں مَیں

مے کا نہیں، یہ تیری نظر کا کمال ہے
بل کھا رہا ہُوں بزم میں لہرا رہا ہوں مَیں

گرمِ سفر ہُوں شام و سحر یہ خبر تو ہے
اِس کی خبر نہیں کہ کہاں جا رہا ہوں مَیں

اے مہرباں! تمہاری نگاہوں کا فیض ہے
ذرّے سے آفتاب بنا جا رہا ہُوں مَیں

اُس جانِ زندگی کی جُدائی میں اے جگرؔ!
حیراں ہوں اِس طرح بھی جئے جا رہا ہُوں مَیں

کیوں اُسے مُستقل خُوشی نہ مِلے
تیرا غم جِس کو عارضی نہ مِلے

وقت کے ساتھ ایک دِن ہم سے
ایسے بِچھڑے وہ پھر کبھی نہ مِلے

آپ خُوشیوں کی بات کرتے ہَیں
ہم کو جی بھر کے رنج بھی نہ مِلے

اُن بہاروں کو کیا کہیں جِن میں
گُل کو اِذنِ شگُفتگی نہ مِلے

جِن سے مِلنے کو خُود سے بِچھڑے تھے
کیا غضب ہَے ہمیں وُہی نہ مِلے

جب نہ مِلنے کی وجہ پُوچھی گئی
ہنس کے بولے، اجی یُونہی نہ مِلے

ہم نے دُنیا بھی دیکھ لی ہے جگرؔ
کام کے دو بھی آدمی نہ مِلے

اِس کا نہیں ہے غم کہ فقط غم دیا مجھے
اِس کی خوشی ہے آپ سے کچھ تو مِلا مجھے

گو ہر بلا میں اِس نے کیا مبتلا مجھے
پھر بھی مِلا نہ دِل سا کوئی آشنا مجھے

اِس کی اذیتوں سے کروں ترکِ عاشقی
حیران ہوں زمانہ سمجھتا ہے کیا مجھے

دُنیا پکارتی ہے مجھے تیرے نام سے
بخشا ہے تیرے عشق نے کیا مرتبا مجھے

اِک خاص مہربان کی یہ خاص دین ہے
غم کیوں نہ ہو عزیز خوشی سے سِوا مجھے

دُنیا کی اُلجھنوں سے بچانے کے واسطے
دیوانہ اپنے دِل کو بنانا پڑا مجھے

اُن کی نگاہِ مست سے پیتا ہوں رات دِن
دُنیا سمجھ رہی ہے مگر پارسا مجھے

کچھ اِس قدر اِس دَور میں ہے خوارِ محبّت
بکتی ہُوئی دیکھی سرِ بازار محبّت

دِل آپ کا رکھ دے گی یقیناً یہ بدل کر
سرکارِ محبّت ہے ، یہ سرکارِ محبّت

داغوں سے ہے بھرپُور مرے دِل کا خزانہ
نادار کو کر دیتی ہے زردارِ محبّت

جس کو ہنساتی ہے رُلاتی بھی ہے اُس کو
ہے پھول کبھی اور کبھی خارِ محبّت

پھولوں پہ بھی روتے ہُوئے دیکھا ہے اِسی کو
ہنستی ہُوئی دیکھی ہے سرِ دارِ محبّت

اے کاش کرُوں تیری طرح تُجھ پہ جفائیں
تُو میری طرح مُجھ سے کرے پیارِ محبّت

ہو جائے گا دُشوار جگرؔ ہجر میں جینا
اِتنی نہ بڑھا اُن سے مرے یارِ محبّت

○

ایک دِن بھُولے سے میرے لب پہ آئی تھی فغاں
آج تک مُجھ پر محبّت کس رہی ہے پھبتیاں

ہے قسم خُونِ جگر کی مُجھ کو اے اُردو زباں
کم نہ ہونے دُوں گا تیرے باغ کی رنگینیاں

جاں نثارِ عشق ہی ہیں آشنا اِس راز سے
سر کٹا کر ہی مِلا کرتی ہیں سرافرازیاں

ہو گئی تیّار جانے کے لئے تُو اے بہار!
ہم ابھی تک بھُولنے پائے نہیں جورِ خزاں

زندگی مانگی تھی میں نے تو جوانی کے لئے
تُو کہاں لے جا رہی ہے مجُھ کو اے عُمرِ رواں؟

آسماں تخریب کاری میں یُونہی بدنام ہے
آدمی پہ کم نہیں ہیں کچھ زمیں کی سختیاں

○

حُسن کے جلووں سے اے دِل! دُور رہنا چاہیئے
پُھول جن کو تو سمجھتا ہے وہ ہیں چنگاریاں

نُکتہ چینی ہر کسی پر بے سبب اچھّی نہیں
دہر میں اِنسان کی ہوتی ہیں کچھ مجبُوریاں

اِس طرف سے اُس طرف پھرتے ہیں بے مقصُود ہم
ریگزارِ زندگی میں صُورتِ ریگِ رواں

اِس طرف ہم کو نہیں کچھ فِکرِ زادِ راہ کی
اُس طرف تیّار ہے چلنے کو اپنا کارواں

قہقہوں، شہنائیوں کے شور و غُل میں اے جگرؔ
کب کسی بیوہ کی سُنتا ہے زمانہ سِسکیاں

دِن رات ہم پہ ظُلم و سِتم آسماں کے ہیں
دانائے روزگار ہم ایسے کہاں کے ہیں

مانگے بغیر حسبِ ضرورت مِلا ہے جام
ممنُون ہم نوازشِ پیرِ مُغاں کے ہیں

حیراں ہوں بے قرار ہیں کیوں اِتنی بِجلیاں
گِنتی کے چار تِنکے مِرے آشیاں کے ہیں

قُربان اپنی جان کریں راہِ عِشق میں
طالب جو لوگ زِندگیِ جاوداں کے ہیں

سینے میں داغ، دِل میں خلِش، آنکھوں میں سرشک
تحفُے دِے ہُوئے یہ کِسی مہرباں کے ہیں

شوخی، فساد، فتنے، شرارت، دغا، فریب
اوصاف یہ تمہارے ہیں یا آسماں کے ہیں؟

ہر لفظ دِل فریب ہے، ہر بات دِل رُبا
ہم دِل سے قائل آپ کے لُطفِ بیاں کے ہیں

کیوں وقتِ غم خوشی سے گزاروں نہ اے جگر!
مَیں جانتا ہُوں دِن یہ مرے امتحاں کے ہیں

کسی صورت بھی خوئے مے کشی اچھی نہیں ہوتی
ملے مے مفت بھی تو مفت بھی اچھی نہیں ہوتی

کرے برباد جو اپنا وطن وہ نوجواں کیا ہے
جلا دے گھر کو جو وہ روشنی اچھی نہیں ہوتی

ہمارا نظریہ اس کو بری اچھی بناتا ہے
زمانے میں کوئی شے خود بری اچھی نہیں ہوتی

یہ جی کا روگ بن جاتی ہے اک دن اے دلِ ناداں
حسینوں سے زیادہ دل لگی اچھی نہیں ہوتی

کوئی آفت، کوئی فتنہ، کوئی خنجر، کوئی نشتر
ادا اس دشمنِ جاں کی کوئی اچھی نہیں ہوتی

دِل ایسا دوست بن جاتا ہے سَو دُشمن کا اِک دُشمن
اِن اچھّی صُورتوں سے دوستی اچھّی نہیں ہوتی

کہاں تک اے جِگرؔ سمجھاؤں اُس نازک طبیعت کو
کہ ہر ایک بات پر ناراضگی اچھّی نہیں ہوتی

سمجھ ہی میں آتے نہیں یہ فسانے
محبّت کی باتیں محبّت ہی جانے

کیا نام روشن تمھارا ہمارا
تمھاری جفا نے، ہماری وفا نے

دلِ زار کو چاروں جانب سے گھیرا
سِتم نے، الم نے، نگہ نے، ادا نے

بہاروں نے چھوڑا ہے کیسا شگوفہ
شگوفے چمن کو لگے ہیں جلانے

خُدا نے جو ساحِل پہ کشتی لگا دی
خُدائی کا دعوٰے کیا ناخُدا نے

خود آنسو بہاتی گھٹا جا رہی ہے
وہ آئی تو تھی میرے غم کو گھٹانے

اُسے کس بنا پر بُری کہہ رہا ہے
اگر مے کشی کی نہیں پارسا نے

جگرؔ! آنکھوں میں آنسوؤں کو چھُپا کر
کوئی جا رہا ہے کسی کو منانے

اِدھر دِل غموں سے بہلنے لگا ہے
اُدھر آسماں ہاتھ ملنے لگا ہے

غرض پڑ گئی ہے مجھے دوستوں سے
بھرم دوستی کا نِکلنے لگا ہے

تمہاری بُرائی ہو میری زباں سے؟
زمانہ کوئی چال چلنے لگا ہے

وہ چہرے سے پردے کو سرکا رہے ہیں
گماں ہے کہ سُورج نِکلنے لگا ہے

حسد دوست سے دوست کرنے لگے ہیں
یہ سانپ آستینوں میں پلنے لگا ہے

کوئی گُل کھلانے لگی ہے محبّت
لہُو چشمِ تر سے نِکلنے لگا ہے

خُدا کیلئے آپ رُک جائیں دم بھر
بس اب دم کِسی کا نِکلنے لگا ہے

اُدھر ڈگمگانے لگا ہے زمانہ
اِدھر کوئی گر کر سنبھلنے لگا ہے

جگرؔ! پالکی سج رہی ہے کسی کی
کِسی کا جنازہ نِکلنے لگا ہے

تمہارے غم کی ہے یہ مہربانی
خوشی سے کٹ رہی ہے زندگانی

اگر بچنا ہے تو نے حادثوں سے
نہ سونپ اوروں کو اپنی پاسبانی

کبھی غم شادمانی میں مِلا ہے
کبھی غم میں مِلی ہے شادمانی

بِچھڑ کر پھر نہ ہم سے مِل سکے گی
گلے جی بھر کے مِل لے اے جوانی!

سِتم کو مہربانی کہہ رہا ہوں
محبّت ہی کی ہے یہ مہربانی

محبّت چھوڑ کر کیسے جئیں گے
محبّت ہے ہماری زِندگانی

لگا دی آگ تن من میں کسی نے
ہمارے آنسوؤں کو کہہ کے پانی

جگرؔ! موجوں کی صُورت جی رہے ہیں
سمُندر ہے ہماری زِندگانی

○

تیرے چہرے پہ نہ ہم نے کوئی پردا دیکھا
پھر بھی تجھ کو نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا

دِل کی تہہ تک کبھی صُورت نہ پہنچنے پائے
ہم نے اِس قطرے کو دریا سے بھی گہرا دیکھا

کبھی گُلزار میں ویرانے کی صُورت دیکھی
کبھی ویرانے میں گُلزار کا نقشا دیکھا

چھا گیا پُوری طرح کوئی مِری ہستی پہ
مَیں نے ہر شئے میں وُہی حُسنِ سراپا دیکھا

دِل میں آرام سے جب چاہا تجھے دیکھ لیا
کعبہ دیکھا نہ کبھی ہم نے کلیسا دیکھا

چاند تاروں میں، چمن زاروں میں، مہ پاروں میں
ہم نے صورت تری دیکھی، ترا جلوہ دیکھا

سجدہ کرتے نہ اگر اُس کو تو کافر بنتے
ہم نے اُس بُت میں نہاں جلوہ خُدا کا دیکھا

حشر تک ہر کوئی آرام سے سو جاتا ہے
موت کو سب سے بڑا ہم نے مسیحا دیکھا

سب کے سب مست تھے محفل میں، کسی نے بھی جگرؔ
شمع کا رونا نہ پروانے کا جلنا دیکھا

○

وفا کے برابر جفا چاہتا ہوں
ترا حوصلہ دیکھنا چاہتا ہوں

ہر اِک دِل میں ہو اِنتہا کی محبت
مَیں اُس دَور کی اِبتدا چاہتا ہُوں

پلک کی جھپک بھی گوارا نہیں ہے
برابر تجھے دیکھنا چاہتا ہُوں

ہر اک سانس زنجیر لگنے لگی ہے
مَیں یہ سِلسِلہ توڑنا چاہتا ہُوں

زمانے کے غم یاد آنے لگے ہیں
تِرا غم تجھے سونپنا چاہتا ہُوں

کوئی بے مُروّت گلے مِل رہا ہے
تجھے جذبِ دِل پُوجنا چاہتا ہُوں

جِگر! پھول شُعلے اُگلنے لگے ہیں
گلُستاں کو اب چھوڑنا چاہتا ہُوں

○

پیار ہونے نہ پائے جُدا، دیکھنا
زِندگی بن نہ جائے سزا، دیکھنا

اِس طرح آپ مُجھ کو نہ دیکھا کریں
مار ڈالے گا یُوں آپ کا دیکھنا

پیار سے بزمِ ہستی میں ہے روشنی
بُجھ نہ جائے کہیں یہ دِیا، دیکھنا

پڑ گئی ہیں دِلوں میں دراڑیں کئی
کیسا آیا ہے یہ زلزلہ، دیکھنا

عُمر بھر کا سفر طے کیا رات میں
شمع تھی کِس قدر تیز پا، دیکھنا

آدمی آدمی سے پریشان ہے
چل رہی ہے یہ کیسی ہوا، دیکھنا

جس طریقے سے سلجھا رہے ہو اسے
اور الجھے گا یہ مسئلا، دیکھنا

شمع پروانے مر مٹ کے اک ہو گئے
دیکھنا، عشق کی انتہا، دیکھنا

عشق میں اس طرح تم جو کھنچتے رہے
ٹوٹ جائے گا یہ سلسلا، دیکھنا

یاد اچھی نہیں ان بتوں کی جگر!
بھول جائے نہ تم کو خدا، دیکھنا

ضرورت ہے

(قومی ایکتا)

زمینِ ہند کو جنت بنانے کی ضرورت ہے
زمانے میں وقار اس کا بڑھانے کی ضرورت ہے

چراغِ عشق سینوں میں جلا کر اے وطن والو!
کدورت کے اندھیروں کو مٹانے کی ضرورت ہے

وطن ہی سب کا مذہب ہو، وطن ہی سب کی ملت ہو
تمیزِ مذہب و ملت مٹانے کی ضرورت ہے

جئیں گے قوم کی خاطر، مریں گے قوم کی خاطر
قسم یہ اب ہر اک ہندی کو کھانے کی ضرورت ہے

اکٹھے ہو رہے ہیں یہ جو خرمن بغض و نفرت کے
انہیں سوزِ محبت سے جلانے کی ضرورت ہے

نہ ہندو ہیں نہ مسلم ہیں فقط ہندوستانی ہیں
ہر اک ہندی کو یہ نعرہ لگانے کی ضرورت ہے

تمہاری اصل جب اِک ہے تو پھر کیوں نسل کے جھگڑے
یہ حق کی بات ہر اک کو بتانے کی ضرورت ہے

اذاں مندر سے آئے ، سنکھ کی آواز مسجد سے
رہِ حق میں تعصب بھول جانے کی ضرورت ہے

وہ گلشن جس کو سینچا ہے لہو دے کر شہیدوں نے
اُسے نفرت کی آندھی سے بچانے کی ضرورت ہے

حوادِث کی کڑکتی دھوپ سے محفوظ رکھنے کو
وطن کو ایکتا کے شامیانے کی ضرورت ہے

بجائے روشنی دینے کے جو گھر پھونک دیتے ہیں
جگرؔ ایسے چراغوں کو بجھانے کی ضرورت ہے

شعروں میں حُسن و ادا، رنگ و تبسّم بھر کر
ہم غزل کو ترِی تصویر بنا دیتے ہیں

جُرعات

(مُنتخب و مُتفرّق اشعار)

○

غموں میں صبر و استقلال دِل سے چھوٹ جاتے ہیں
جب آئے باڑھ دریا میں کِنارے ٹوٹ جاتے ہیں

○

ہمارا حال سُن کر وہ اگر اتنے پریشاں ہیں
ہمارا حال دیکھیں گے تو اُن کا حال کیا ہوگا

○

ہمارے کُفر سے زاہد ترا ایمان قائم ہے
نہ ہو زُنّار تو تسبیح کے دانے بکھر جائیں

○

آدمی کی ذات سے وابستہ اُمیدیں ہیں سب
کِتنے مُنکِر ہو گئے ہیں ہم خُدا کی ذات سے

○

غیر ممکن ہے مرا جینا ہے محبّت کے بغیر
پانچ حرف اِس کے جو ہیں پانچ عناصِر ہیں مرے

○

پہلے سینے میں کرو تو درد پیدا دوستو!
خود بخود ہو جائیں گے ہمدرد پیدا دوستو!

○

تمام آنسو مرے کیسے پہنچتے اُن کے دامن تک
گہر بنتا نہیں ہر ایک قطرہ ابرِ نیساں کا

○

کس طرح چاہے کوئی میرے دِل پہ داغ کو
اے جگرؔ! چنگاریوں سے کھیلنا آساں نہیں

○

ممنون ہوں میں پھر بھی تری جلوہ گری کا
گو جذبۂ دِل نے مرے یہ کام کیا ہے

○

صاف مجھ کو دِکھائی دیتے ہیں
تیرے نقش و نِگار پھولوں میں

○

کوئی کیا ہے، کوئی یہ جانے تو کیسے جانے
لوگ اِس دَور کے کیا کہتے ہیں کیا کرتے ہیں

○

تعجب کیوں ترے من کو جو رنج و غم نے گھیرا ہے
ضرُوری اے جگرؔ! چندن پہ سانپوں کا بسیرا ہے

○

آرزوؤں کی طرح دِل میں چُھپا بیٹھا ہے کیوں
میری نظروں کے مُقابِل آ نظارے کی طرح

○

پابند حُسن والے "ہاں" کے بھی جب نہیں ہیں
مایُوس ہو نہ اے دِل! اُن کی "نہیں نہیں" سے

○

سب زِندگی کو کہتے ہیں اِک دردِ سر، مگر
مرنے کے واسطے کوئی تیّار بھی نہیں

○

حجابِ یار اُٹھےّ گا میں جب دُنیا سے اُٹھوں گا
مجھے معلُوم ہے میں خُود ہی اُس کے رُخ کا پردہ ہُوں

○

جوانی میں نشہ کو ٹھوکریں کھانی ہی پڑتی ہیں
اندھیری رات میں چلنا بڑا دُشوار ہوتا ہے

○

ایسی دولت ہے حُسن جِس کے لیئے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

جگرؔ! رنگینیاں پھیلیں گی جب سارے زمانے میں
اگر خونِ جگر شامل کرو گے تم فسانے میں

زمیں سے فلک تک ہے اِن کی پہنچ
نگاہوں سے بچ کر کہاں جاؤ گے

ڈال کر عکس وہ آئینے میں بھر دیتے ہیں رنگ
وَرَقِ سادہ کو تصویر بنا دیتے ہیں

وفا نہیں نہ سہی، دشمنی کی چال تو ہے
چلو کسی طرح - اُن کو مِرا خیال تو ہے

حضُور دیکھے ہیں ہم نے جناب دیکھے ہیں
زمیں میں دفن کئی آفتاب دیکھے ہیں

ترے بدن کی مہک ہے ترے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گلاب دیکھے ہیں

○

خونِ ناحق نہیں پروانوں کا دیکھا جاتا
ہم چراغوں کو سرِ شام بجھا دیتے ہیں

○

زندگانی میں تو دشمن ہی جلاتے ہیں مجھے
مر گیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لئے

○

گھیر رکھا ہے مجھے موت کی تاریکی نے
اب تو آجاؤ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

○

اشارے کرتے ہیں پردے سے بر سرِ محفل
حجاب والے بڑے بے حجاب دیکھے ہیں

○

میری خودداریوں نے عشق کی دنیا بدل ڈالی
بنا ہوں منتظر سے منتظَر آہستہ آہستہ

○

تو اگر پیاسا ہے دریا سے نہ لے پانی کی بوند
اپنی خودداری کو قائم رکھ کنارے کی طرح

○

میں نے کانٹوں سے بھی پھولوں کی طرح پیار کیا
زندگانی مری مانندِ صبا گزری ہے

○

سنگدل لوگوں میں ہم نے عمر ساری کاٹ دی
کوئی اک دن دیکھے رہ کر پتھروں کے شہر میں

○

سو سمندر بھی اسے سیراب کر سکتے نہیں
پیاس جو اپنی بڑھاتا ہے کنارے کی طرح

○

زمیں میں ہو چکے ہیں دفن لاکھوں جوہرِ قابل
یہ مٹی کھا گئی کتنے گہر آہستہ آہستہ

○

جب سے تیرے در پہ آیا سنگِ اسود بن گیا
ورنہ تھا بے کار پتھر پتھروں کے شہر میں

○

مجھے ڈر ہے جلا ڈالے نہ میرے چین کی دنیا
چراغِ آرزو کو دل میں روشن کر تو بیٹھا ہوں

○

یہ علم مجھ کو بعدِ ملاقات ہی ہُوا
جس کی تلاش تھی وہ کوئی دُوسرا نہ تھا

○

مرنے کے بعد اُس کو زمیں نے دبا لیا
جو شخص زندگی میں فلک سے دبا نہ تھا

○

یہ زیست اک فریب ہے، دھوکا ہے خواب ہے
جس کو سمجھ رہا ہے تُو دریا سراب ہے

○

دُنیا نے اُس کو جیسا بھی چاہا بنا دیا
جو شخص چُپ رہا درو دیوار کی طرح

○

کہاں مدھ بھری تھیں یہ تیری نگاہیں، کہاں تجھ میں تھیں پیاری پیاری ادائیں
یہ سارا کرشمہ میرے عشق کا ہے ترے حسن کو جس نے سانچے میں ڈھالا

○

ہرگز کسی کو سائے میں اپنے نہ لیجیے
جلنا پڑے گا دُھوپ میں اشجار کی طرح

فقط ہے موت اک ایسی دُلہن ساری خدائی میں
بشر کی جان لیتی ہے جگر، آ! جو مُنہ دِکھائی میں

کیا غور ہم نے تو یہ راز جانا، پُجاری ہے مُردوں کا ظالم زمانہ
جِسے عمر بھر اِس نے رکھا برہنہ، مرا جب تو ڈالا بدن پر دوشالا

دیکھ! یہ ادنےٰ و اعلےٰ کی بنا پر تقسیم
کہیں مے خانے کی عظمت نہ گھٹا دے ساقی

عقل والے کو زمانے میں ہیں لاکھوں رنج و غم
اِن سے بچ سکتا ہے وہ جو بن کے دیوانہ رہے

مَیں تو اِس اُمید پہ آیا تھا تُم پونچھو گے اشک
تُم تو خود ہمراہ میرے اشک ٹپکانے لگے

جو آپس میں مُلاقاتیں کیا کرتے ہیں ہنس ہنس کر
وُہی دیوار و در سے لگ کے روتے ہیں جُدائی میں

آدمی مر کے جنم لیتا ہے
کوئی صورت نہیں رہائی کی

رہ کے گردش میں بھی انسان خدمتِ انساں کرے
اس جہاں کے مے کدے میں بن کے پیمانہ رہے

ہم سمجھتے تھے اسے وجہِ سکوں
اور تڑپایا ترے دیدار نے

حسن تیرا تو ہے بے داغ خدا جانے یہ لوگ
چاند سے کیوں تجھے تشبیہ دیا کرتے ہیں

پھول میں، چاند میں، بجلی میں، ستارے میں جگہ!
ہم جہاں چاہیں اسے دیکھ لیا کرتے ہیں

عمر بھر تو ہم بتوں کی بندگی کرتے رہے
کون سا منہ لے کے جائیں اب خدا کے سامنے

خبر کیا تھی چراغِ آرزو مجھ کو جلا دے گا
میں اِس کو ورنہ لَو دینے سے پہلے ہی بجھا دیتا

تمہاری جلوہ فرمائی محبت کی نِشانی ہے
نوازِش ہے، عِنایت ہے، کرم ہے، مہربانی ہے

جب ہزاروں ولولے تھے وہ تھے ہم سے بے نیاز
جب ہُوئے وہ مہرباں دِل میں کوئی ارماں نہ تھا

بدل سکتا نہیں ماحول خوش پوشوں کی فِطرت کو
کنول کیچڑ میں بھی پوشاک اپنی صاف رکھتا ہے

ترک کر دی زِندگی لیکن نہ کی ترکِ وفا
خاک ہو کر شمع کے قدموں میں پروانہ رہا

کوئی زِندگی کی تمنّا نہ کرتا
اگر اِس میں ہوتا نہ عہدِ جوانی

○

جھکتے ہیں آدمی ہی کے قدموں پہ آدمی
پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں بندہ خدا نہیں

○

سانس آئے زندگی ہے، نہ آئے تو موت ہے
موت اور زندگی میں کوئی فاصلہ نہیں

○

دیر و کعبہ میں تجھے کیوں ڈھونڈوں
کیا مری ذات، تری ذات نہیں؟

○

حسرتوں کا ہوگیا ہے اس قدر دِل میں ہجوم
سانس رستہ ڈھونڈتی ہے آنے جانے کیلئے

○

پاؤں پھیلائے ہیں دُنیا میں تو یہ بھی سوچ لے
ہاتھ پھیلانے پڑیں گے پاؤں پھیلانے کے بعد

○

اُن کے آنے پہ بھی آنسو مرے بہتے ہی رہے
ڈوب جاتے ہیں ستارے تو سحر ہونے تک

○

دُنیا میں رنج و غم میں کیوں نہ نکلیں آنکھ سے آنسُو
چھلک جاتا ہے جب بھر پُر ہو جاتا ہے پیمانہ

○

خاک ہونا بھی رائگاں نہ گیا
سارے عالم پہ چھا رہا ہُوں مَیں

○

آپ آئے تو بن گیا خُورشید
ذرّہ ذرّہ غریب خانے کا

○

شَوق کامِل دِل میں ہونا چاہیئے
خُود بخُود اُٹھ جائیں گے سارے حِجاب

○

منظُور کِسی کو بھی نہیں خاک میں مِلنا
آنسُو بھی لرزتا ہُوا آنکھوں سے گرا ہے

○

مَیں ہار کے جب بیٹھ گیا دِل نے صدا دی:
"آ اُس سے مِلا دُوں تُو جِسے ڈھونڈ رہا ہے"

○

تمام عمر اکٹھے رہے، مگر پھر بھی
گُل اور خار کی آپس میں دوستی نہ ہوئی

○

مجھے چراغ جلانے کی کیا ضرورت ہے
یہ دِل کے داغ ہی کافی ہیں روشنی کے لِئے

○

آرام کہاں عشق میں آزار بہت ہیں
اِس باغ میں گُل کم ہیں مگر خار بہت ہیں

○

کوئی جمال دیکھنے والا نہیں رہا
پچھتا رہے ہیں وہ مِری آنکھیں نِکال کر

○

دیکھتا رہتا ہوں میں پہروں مُسلسل اِس کو
تیری تصویر نے تصویر بنا رکھا ہے

○

مُنہ پھیر کے محفل میں اُدھر بیٹھنے والے
بیٹھے ہیں تیرے طالبِ دیدار اِدھر بھی

○

جو بُرے ہیں اُنہیں زمانے میں
کوئی اچھّا نظر نہیں آتا

○

زندگی میں جو اُٹھا سکتے نہیں دو پھول بھی
سینکڑوں پتھّر اُٹھا لیتے ہیں مرجانے کے بعد

○

بے سُود ہے یہ دُوریِ منزل کی شکایت
پہلے یہ کہو دِل میں ہے کیا عزمِ سفر بھی؟

○

شمع بھی ساتھ مِرے شام کو جلنے تو لگی
دیکھئے ساتھ بھی دیتی ہے سحر ہونے تک

○

سُننی ہی پڑے گی تمہیں سُننی ہی پڑیگی
آوازِ محبّت ہے یہ آوازِ محبّت

○

پروانے سے کُچھ کم نہیں سوزِ جگر اپنا
ہم اِس کا مگر بزم میں چرچا نہیں کرتے

نوازشات

(دوسرے مجموعۂ کلام "لختِ جگر" کے متعلق تاثرات)

جناب ساحرؔ ہوشیارپوری

جہاں اُستاد مرزا داغؔ دہلوی کے دبستان شاعری کی خصوصیات کے فروغ و ارتقا میں اُستادِ محترم ابوالفصاحت قبلہ جوشؔ ملسیانی کی ادبی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ کاروانِ جوشؔ کے ایک ممتاز رُکن جناب ساحرؔ سیالکوٹی خطۂ پنجاب میں داغؔ اسکول کی صالح روایات کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں۔ اور جگرؔ جالندھری کا شمار اُن کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ خاندانِ داغؔ کی شاعری کا صحت مند اور ترقی یافتہ رنگ جگرؔ صاحب کے کلام کا جوہر ہے۔ اندازِ بیاں میں سادگی وسلاست، بندش الفاظ میں نفاست و لطافت اور لوازم شاعری کے استعمال میں فنّی مہارت اُن کے اکثر اشعار میں پائی جاتی ہے۔ مشاعروں میں اُن کا کلام سُننے کا متعدد بار موقع ملا ہے اور ذاتی صحبتوں میں کسی ادبی موضوع پر اُن سے گفتگو ہوئی ہے تو اسرار و رموزِ سُخن گوئی کے بارے میں اُن سے وُسعتِ معلومات کا اندازہ دِلی مسرت کا باعث ہوا ہے۔

شعروں کے انتخاب کا مسئلہ اکثر و بیشتر ذاتی نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن ایک کہنہ مشق اور خوش گو سُخن ور کے مجموعے میں ایسے اشعار ضرور ملتے ہیں جن کا اثر مختلف طبائع پر یکساں ہوتا ہے۔ جگرؔ صاحب کے دُوسرے مجموعۂ کلام "لختِ جگر" میں اِس قسم کے آفاقی جواہر پاروں کی کمی نہیں ؎

تیرے بدن کی مہک ہے تیرے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گُلاب دیکھے ہیں

آرزوؤں کی طرح دِل میں چُھپا بیٹھا ہے کیوں
میری نظروں کے مقابل آنظارے کی طرح

ایسی دَولت ہے حُسن جِس کے لیۓ
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

ڈال کر عکس وہ آئینے میں بھر دیتے ہیں رنگ
وَرَقِ سادہ کو تصویر بنا دیتے ہیں

سب زِندگی کو کہتے ہیں اِک دردِ سر مگر
مَرنے کے واسطے کوئی تیّار بھی نہیں

خُونِ ناحق نہیں پروانوں کا دیکھا جاتا
ہم چراغوں کو سرِ شام بُجھا دیتے ہیں

زِندگانی میں تو دُشمن ہی جلاتے ہیں مُجھے
مَر گیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لیۓ

گھیر رکھّا ہے مُجھے مَوت کی تاریکی نے
اب تو آجاؤ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

مِری خُودداریوں نے عِشق کی دُنیا بدل ڈالی
بنا ہوں مُنتظِر سے مُنتظَر آہستہ آہستہ

اِن اشعار میں شُستگی ہے، پاکیزگی ہے، اظہارِ محبّت کی عُمدگی ہے اَور ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ ایک تربیت یافتہ ذہن نے نہایت سلیقے سے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو قاری کے شعور و وجدان سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اِس قِسم کے اشعار زندہ و تابندہ رہتے ہیں اور اِن کے کیف و تاثر کا چشمہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ مجھے اُمید ہے کہ اہلِ علم اور دِل دادگانِ شعر و سخن "لختِ جگر" کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی

شری جگر جالندھری ایک شریف النفس، پُرخلوص اور خوش اخلاقی کا مجسمہ ہیں۔ دُنیائے شعر و ادب میں آپ نے ایک قابلِ رشک بلند مقام حاصل کر لیا ہے۔ آپ کا کلام فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ ضرورت کے مطابق صنائع اور بدائع سے بھی کام لیا گیا ہے۔ شعر اور فنِ عروض پر آپ کو عبور حاصل ہے۔ آپ نے شعر کے ہر پہلو کو مدِّ نظر رکھّا ہے۔ شعر کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ انتخابِ الفاظ بلند پایہ ہے۔ جگر صاحب کا کلام رنگینی کے لحاظ سے ایک گُچھے گُلاب کا گلدستہ ہے۔ خیالات کا اظہار اِس طرح پیش کیا ہے کہ شعر میں کوئی اُلجھن یا پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ کلام بے حد موثر رنگ ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ خیالات اِس خوبی سے تخلیق کئے گئے ہیں کہ ہر شعر سحر اور اعجاز بن گیا ہے۔ ہر شعر سوز و گداز سے بھرپور ہے۔ جگر صاحب ہمارے عہد کے بلند ترین خوش گو شاعروں میں سے ایک ہیں جو ادب کی بہترین قدروں، قیمتوں اور روایات سے مکمّل واقفیت رکھتے ہیں۔ ہمارے اِس ہر دلعزیز شاعر نے اُس بلند مقام پر کھڑے ہو کر غزل پیش کی ہے جو باطن و باہر کی دُنیا کا مرکزی نقطہ ہے۔ اِس لئے جگر کی غزل نے افلاک کی بلندیوں اور وسعتوں کو بھی چھُوا ہے اور دِل کی گہرائیوں کو بھی۔ شاعر نے غزل میں ایک ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جو سُنتے سُنتے کانوں کے راستے خوابیدہ رُوح کو بیدار کر دیتی ہے ہمارا شاعر قُدرت کی رنگینیوں سے کافی محبّت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کی غزل میں فِطرت ہزار ہا رنگوں میں مُنکشف ہُوئی ہے۔ اگر جگر صاحب کی غزلوں

کا مطالعہ نظرِ عمیق سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُن کی غزلیں تجربے کی گہرائی، مشاہدے کی وُسعت، لب ولہجہ کی نُدرت وجدیدیت اور اسلوبِ ادا کی تازگی وشادابی کا ایک انمول خزانہ ہے۔ آپ کو نظم، غزل اور رُباعی پر یکساں مہارت ہے۔ آپ کے اشعار میں پاکیزگی اور شُستگی بلند پایہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشعار مصری کی ڈلیاں یا شربت کے گھونٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ اظہارِ جذبات وخیالات کی عُمدگی کو دیکھ کر اندازہ لگتا ہے کہ شاعر شاید عُمر رسیدہ شاعر ہے۔ مگر ہے وُہ نوجوان شاعر۔ ایک ایک شعر دولتِ محبّت سے مالامال ہے۔ محبّت بھی بازاری نہیں بلند پایہ۔ جہاں کہیں آپ نے صُوفیانہ خیال پیش کیا ہے وہ بھی بہت بلند پایہ۔ شاعر کی نظر میں گورو نانک، کرشن، رام اور محمد صاحب ایک عظیم قوّت کے الگ الگ نام ہیں۔ آپ نے بزرگ ہستیوں کو عقیدت کے پھول چڑھائے ہیں۔ قومی یک جہتی کا جگر دِلدادہ ہے ؎

مِٹا دو مذہب و مِلّت کے جھگڑے اے وطن والو
تم اب تسبیح کے دانوں کی صُورت ایک ہو جاؤ

ذاتی طور پر مَیں نے "سوزِ جگر" اور "لختِ جگر" کا مطالعہ کیا ہے۔ واقعی یہ اشعار جگر صاحب کے دِل کے ٹُکڑے ہیں۔ ہر شعر میں جگر صاحب خود بول رہے ہیں ہر شعر اُن کے دِل کی دھڑکن ہے۔ مَیں اپنے اِن خیالات کو جگر صاحب کے اِس شعر پر ختم کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ ذاتِ کریم جگر کو عُمر دراز بخشے تاکہ وہ بنی نوعِ اِنسان کو اِنسانیت کی راہ دِکھاتے رہیں ؎

رہ کے گردش میں بھی اِنساں خِدمتِ اِنساں کرے
اِس جہاں کے مے کدے میں بن کے پیمانہ رہے

ماہنامہ "شانِ ہند"، نئی دہلی
ستمبر ۱۹۸۰ء

"لذتِ جگر" جنابِ جگر جالندھری کا دُوسرا مجموعہ کلام ہے۔ جو ۱۹۷۹ء میں شائع ہونے والے شعری مجموعوں میں صفِ اوّل میں نمایاں مقام رکھتا ہے سرورق قیصر سرمست کے چابک دستِ قلم کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ ہزاروں کتابوں میں اِس حسین وجمیل سرورق کے طفیل اپنی جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ مجموعہ کے شروع میں جگر صاحب نے چار صفحات پر اُن تصاویر کو شائع کیا ہے جو مُصنف کے لیئے یادگاری حیثیت کی حامل ہیں۔ اِس کے بعد اپنے اُستادِ محترم قبلہ جوشؔ ملسیانی مرحوم کی اصلاح شُدہ غزل کا عکس اور جناب ساحرؔ سیالکوٹی صاحب کا دُعائیہ انہیں کے عکسِ تحریر میں شائع کیا ہے۔ شروع کے ۷۵ صفحات میں قبلہ جوشؔ ملسیانی کا اظہارِ رائے۔ اُودے سنگھ شائقؔ کا جگر صاحب کی شاعرانہ نازک خیالی پر اظہارِ رائے۔ جناب عرشؔ ملسیانی کا جگرؔ جالندھری کی شاعری پر ارشادِ گرامی۔ جناب ہماؔ ہرنالوی کا جگرؔ جالندھری کا مقامِ شاعری۔ جناب ساحرؔ ہوشیارپوری کے جگرؔ جالندھری کی شاعری کے متعلق تاثرات۔ جناب زارؔ علامی کا سُخن ہائے گفتنی۔ جناب وفاؔ پٹیالوی کی طرف سے جگرؔ جالندھری میری نظر میں۔ جناب گنپت سہائے سریواستو مولف اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندوؤں کا حِصّہ کا رقم کردہ طویل مضمون جگرؔ جالندھری کا مقامِ شاعری پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن جُملہ حضرات نے جگرؔ صاحب کے جو اشعار اپنے مضامین میں اپنی آرائے گرامی کے حق میں بطورِ ثبوت دیئے ہیں۔ جگر صاحب نے ان اشعار کو مجموعہ میں شامل نہیں کیا۔

غزلیات، نظمیات، قطعات اور متفرقات پر مُشتمل ۱۸×۲۲/۸ سائز کے ۱۶۸ صفحات پر یہ مجموعہ ایسے بہترین کاغذ اور اعلیٰ چھپائی اور روشن کتابت سے مزین ہے کہ آپ کی لائبریری میں یقیناً ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوگا۔ ہم اِس مجموعہ کے پسندیدہ ہونے کے بارے میں گارنٹی کر سکتے ہیں کہ اگر آپ کو مجموعہ کسی طور پر بھی پسند نہ آئے تو واپسی کی شرط۔

روزانہ "پرتاپ" جالندھر

۵ اکتوبر ۱۹۸۰ء

"لختِ جگر" پنجاب کے نوجوان شعرأ کے قافلہ سالار جناب جگر جالندھری کا دُوسرا مجموعۂ کلام ہے۔ جو بڑی آب و تاب سے شائع ہوا ہے اور اِس کی یہ تابناکی صُوری اور معنوی دونوں طرح کی ہے۔

جگر جالندھری کا پہلا مجموعۂ کلام "سوزِ جگر" ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا اور اِس کے بعد وہ تخلیقِ شعر میں کئی منزلیں مار چکے ہیں۔ اور اب اُن کا شمار بڑے مشاق اور پختہ گو شعرأ میں ہوتا ہے۔ یہ سب اُن کی محنت، شعر و سُخن سے والہانہ لگاؤ، تخلیق شعر میں جدّت پسندی اور اُن کے اُستادِ محترم جناب رگھبیر داس ساحر سیالکوٹی کی نظرِ کرم اور مُشفقانہ رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ جو ابوالفصاحت پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی مرحوم و مغفور کے شاگردِ رشید ہیں۔ آج ادبی دُنیا میں جگر جالندھری کا خاص مقام اور نام ہے اِن کے اصلی نام دھرم پال مرواہا کو بہت کم لوگ جانتے ہوں گے۔ مگر جگر جالندھری کے نام نامی اور اسمِ گرامی سے سبھی آگاہ ہیں۔

"لختِ جگر" پونے دو سَو صفحات پر محیط ہے۔ اِس میں غزلیں بھی ہیں، نظمیں بھی، قطعات بھی اور متفرق اشعار بھی۔ آغاز میں قبلہ جوش ملسیانی مرحوم و مغفور کی جگر جالندھری کے کلام کے متعلق رائے درج ہے جو اُن کے لئے قابلِ فخر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت ساحر سیالکوٹی کا دُعائیہ اور لسان الاعجاز سردار اُودے سنگھ شاتق۔ جناب عرش ملسیانی مرحُوم و مغفُور۔ جناب ہما ہرنالوی۔ جناب ساحر ہوشیارپوری۔ جناب زار علامی۔ جناب وفا پٹیالوی اور شری گنپت سہائے سریواستو سابق ریسرچ سکالر الٰہ آباد یونیورسٹی کی تقریظیں اور تبصرے شامل ہیں جن میں اِن

بلند پایہ شعراؑ اور ادیبوں نے جناب جگر جالندھری کے فن اور کلام کی خوبیاں اجاگر کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ؏ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ یعنی عطر کی خوشبو ہی اپنا ثبوت ہوتی ہے۔ اِس کیلئے عطار کی چرب زبانی کی چنداں ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ اور لحنت جگر میں شامل کلام اِس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کو جگہ جگہ ایسے اشعار ملیں گے جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے ؏ کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجا ست

نمونہ مشتے از خروارے کے مصداق چند اشعار ملاحظہ فرمایئے ؎

تیرے بدن کی مہک ہے تیرے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گلاب دیکھے ہیں

سو بہاروں سے بھی پھول اتنے نہ کھلنے پائیں
جتنے اِک جنبشِ لب سے وہ کھلا دیتے ہیں

سو سمندر بھی اُسے سیراب کر سکتے نہیں
پیاس جو اپنی بڑھاتا ہے کنارے کی طرح

مرنے کے بعد اُس کو زمیں نے دبا دیا
جو شخص زندگی میں فلک سے دبا نہ تھا

زندگانی میں تو دشمن ہی جلاتے ہیں مجھے
مر گیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لئے

حضور دیکھے ہیں ہم نے جناب دیکھے ہیں
زمیں میں دفن کئی آفتاب دیکھے ہیں

جناب جگر جالندھری نظم پر بھی اتنے ہی قادر ہیں جتنے غزل پر۔ اِس مجموعہ میں شامل اِن کی نظموں میں گورو نانک دیو جی۔ گورو گوبند سنگھ جی۔ بانسری والا۔ جذبۂ حب الوطنی۔ ہندی نوجوانوں سے خطاب۔ قومی یک جہتی اور کئی دیگر اہم قومی مسائل اور شخصیتوں کے متعلق نظمیں شامل ہیں۔ تمام نظمیں سچّی قوم پرستی، حب الوطنی اور تعمیر و اصلاح کے جذبہ سے لبریز ہیں۔ اِن کے قطعات اور متفرقات کا اپنا مقام ہے متفرقات میں بڑے نادر گوہر شامل ہیں۔ چند ملاحظہ فرمایئے

جوانی میں بشر کو ٹھوکریں کھانی ہی پڑتی ہیں
اندھیری رات میں چلنا بڑا دشوار ہوتا ہے

جب ہزاروں ولولے تھے وہ تھے ہم سے بے نیاز
جب ہوئے وہ مہرباں دِل میں کوئی ارماں نہ تھا

تقلید کر سکا نہ وہ رفتارِ یار کی
طاؤس کیوں نہ روئے قدم اپنے دیکھ کر

"لختِ جگر" کی افادیت، اہمیت اور عظمت کا احساس کرتے ہوئے اُردو اکاڈمی اُتر پردیش نے ایک ہزار روپے کا انعام دیا ہے۔ اِس کی رُونمائی کی تقریب پچھلے دِنوں پٹیالہ میں ہوئی تھی اور اِس موقع پر ایک شاندار آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا تھا۔

"لختِ جگر" کی لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے۔ سرورق قیصر سرمست کے موئے قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ مجموعہ پنجاب سرکار کے بھاشا وبھاگ کے مالی اشتراک سے شائع ہوا ہے۔

"پاسبان" مارچ ۱۹۸۱ء

پنجاب سرکار۔ محکمہ تعلقاتِ عامہ کا چنڈی گڑھ سے شائع ہونے والا ماہنامہ

تبصرہ نگار:۔ پروفیسر گنپت سہائے سریواستو سابق ریسرچ سکالر الہ آباد یونیورسٹی

شاعری بہترین فنِ لطیفہ ہے۔ جس میں حد درجہ دل کشی و رعنائی پائی جاتی ہے حُسن کی شوخیاں و تجلیاں، عشق کی سرگرمیاں و دل سوزیاں، مناظرِ قدرت کی جلوہ پاشیاں و تابانیاں شاعری کی سحر کاری کی رہینِ منت ہیں۔ وہ چند لوگ کتنے خوش بخت ہیں جن کو قدرت نے سخن گوئی کے انمول جوہر بخشے ہیں اور جنہیں شاعری کی دیوی نے شہرتِ عام اور بقائے دوام کا تاج پہنایا ہے ؎

باقی سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو ہے یہی دو پُشت چار پُشت

وطن کی آزادی کے بعد بیسویں صدی کے درمیانی حصہ میں جدید شاعری یا ترقی پسند شاعری کی تحریک رُونما ہوئی۔ اپنی روایتی خصوصیات کے ساتھ ہر ادب کا حالیہ دَور کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تبدیلیوں سے اثر پذیر ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ ادب آئینۂ حیات اور تنقیدِ حیات کہا جاتا ہے۔ چنانچہ انقلابِ فرانس و رُوس کا اِن کے ادب پر جو زبردست اثر پڑا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ادب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لہٰذا جب کبھی کسی قوم کی سیاسی وسماجی زندگی میں تبدیلی ہوگی ادب کا اِس سے متاثر ہونا امرِ ناگزیر ہے

ترقی پسند شاعری کے موجودہ دَور میں اردو شاعری اپنے انتہائی عروج کے ساتھ ساتھ بہت پست اور حقارت آمیز بھی ہوگئی ہے۔ اکثر ترقی پسند شعرا کی غزلوں کے اشعار مبہم خشک اور تاثیر و لطافت سے محروم ہوتے ہیں۔ اُن کی معرا اور منثور نظموں کا عموماً نہ تو

کوئی عنوان ہوتا ہے اور نہ اظہارِ خیال کا کوئی مرکز۔ وہ بھونڈے تخیلات، غیرمانوس ثقیل تراکیب، اور بھدّی تشبیہات و استعارات کے استعمال کو ترقی پسند شاعری کے بنیادی اصول تصوّر کرتے ہیں۔ ایسے کج فہم اور بدمذاق شعرائے نے روایتی شاعری سے یک لخت رُوگردانی کرلی ہے۔ اُنہوں نے روایتی شاعری اور ترقی پسند شاعری کے درمیان ایک خلا پیدا کر رکھا ہے۔ ان کے بے کیف اور بھونڈے کلام سے دُنیائے شاعری میں یاس انگیز روایات کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔

ترقی پسند شاعری کے طوفانِ بدتمیزی کی تاریکی میں پنڈت آنند نارائن مُلاّ، کنور مہندر سنگھ بیدی، جگن ناتھ آزاد، ساحر سیالکوٹی، کرشن موہن، ساحر ہوشیارپوری، رشی پٹیالوی، مخمور سعیدی، کمار پاشی، نور اندوری، کرشن بہاری نور لکھنوی، ایاز جھانسوی، ڈاکٹر اختر نظمی اور خمار بارہ بنکوی وغیرہ مذاقِ سلیم رکھنے والے شعرائے کے زمرہ میں جناب جگر جالندھری بھی دِل کش و لطیف صالح شاعری کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔

روایات شجرِ ادب کی جڑیں ہیں اور تبدیلیاں شاخیں۔ بعد میں آنے والی سماجی و سیاسی تبدیلیاں معاون ندیوں کی طرح ادب کے دھارے پر اثر انداز ہوکر اس کے بہاؤ کے رُخ کو لامحالہ موڑتی ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ابتدائی اور خاص ندی کے دھارے کو نیست و نابُود کر دیتی ہیں۔ اعتدال سے زیادہ نامانوس اور بھونڈی تبدیلیاں ادب کی انفرادی بُنیادوں کو متزلزل کر دیتی ہیں۔ اور اُسے زوال پذیر بنا دیتی ہیں۔ اس لئے نئے نئے اسالیب، نئے خیالات، جدید طرزِ کلام اور نئی ترکیبیں ادب میں داخل کرتے وقت بہت غور و فکر سے کام لینا چاہیئے۔ تبدیلی و ترقی کے جوش میں عمارتِ سخن کی قدیم بُنیادوں کو برباد کر دینا خطرناک علامت ہے۔

شاعرِ خوش بیاں و نکتہ داں جناب جگر جالندھری کا شمار باشعور و ذوقِ سلیم

رکھنے والے ممتاز اُردو شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء کو ضلع امرتسر میں واقع گاؤں سارنگدیو میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے پاس کرنے کے بعد پنجابی یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان امتیازی پوزیشن حاصل کر کے پاس کیا۔ آج کل آپ پنجاب سٹیٹ الیکٹرسٹی بورڈ میں ملازم ہیں۔ ابتدا میں اُنہیں قبلہ جوش ملسیانی مرحوم سے تلمذ تھا بعدہ اُن کی فرمائش پر اُن کے قابل شاگرد سحرالبیان جناب ساحر سیالکوٹی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے۔ مگر اپنی خُدا داد ذہانت کے باعث ایک مُدت سے فارغ الاصلاح ہو گئے ہیں۔

آپ کا پہلا مجموعۂ کلام ۱۹۶۲ء میں "سوزِ جگر" کے عنوان سے اَور دُوسرا مجموعۂ کلام "لختِ جگر" کے عنوان سے ۱۹۷۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ "لختِ جگر" کو یُوپی اُردو اکاڈمی نے ایک ہزار روپے کے انعام سے نوازا تھا۔

اپنی ادبی دلچسپی، شاعرانہ مشق و مہارت، وہبی مَوزُونیٔ طبع اَور غیر معمُولی ذہانت و قابلیت کے باعث جناب جگرؔ نے بہت کم عُمر میں پُختہ کلامی کی دُشوار گزار منزلیں طے کر کے صفِ اوّل کے ممتاز شعرا میں اپنی جگہ بنا لی۔ وہ روایتی شاعری اَور جدید ترقی پسند شاعری کے بیچ کی کڑی ہیں۔ وہ پسندیدہ روایات کا احترام بھی کرتے ہیں اَور نئے صالح اقدار کا پاس بھی۔ اُن کا کلام پُرانے فرسُودہ مضامین اَور رسمی روایات (گُل و بُلبُل، صیّاد و قفس، شمع و پروانہ، رقیب و عدُو) کے عیوب سے پاک ہوتا ہے

جناب جگرؔ نے حالانکہ ہر صنفِ شاعری میں کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے مگر اُن کی محبوب صنف غزل ہے جو اُردو شاعری کی مقبُول ترین صنف ہے۔ ان کی غزلیں عشقیہ جذبات سے مملُو ہیں۔ اِن میں حُسن و عشق کے بہترین مرقعے ملتے ہیں۔ مگر داستانِ حُسن و عشق کے علاوہ اُن کی غزلوں میں وارداتِ زندگی۔

فلسفۂ حیات، مسائلِ تصوف و معارف اور رندی و سرمستی وغیرہ جملہ اقسام کے خیالات، جذبات اور مضامین کی دل آویز ترجمانی ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ عام فہم اور سادہ الفاظ میں وہ بلند سے بلند مضامین اور دقیق نکات بڑی خوبی سے قلمبند کر جاتے ہیں۔ صداقت و حقیقت کا عنصر غالب ہونے سے اُن کے اشعار میں لطافت و تاثیر غضب کی ہوتی ہے۔ حُسنِ زبان کے ساتھ ساتھ اسلوبِ بیان کی نُدرت اور تخیل کی جدّت کے باعث اُن کے کلام کو سُن کر رُوح وجد کرنے لگتی ہے۔ اُن کی غزلیں بھرتی کے اشعار اور قافیہ پیمائی کے عیُوب سے پاک ہوتی ہیں۔ اکثر پُوری کی پُوری غزل مرصّع ہوتی ہے۔

جگرؔ کے کلام کی پختگی اور اسلُوب کی دِل آویزی متعدد نقادانِ فن سے خراجِ تحسین وصُول کر چکی ہے۔ چنانچہ جناب ہُماؔ ہرنالوی جگرؔ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یُوں کرتے ہیں

"میں جناب جگرؔ کی کون سی صفات کا ذکر کروں کیونکہ مجھے کوئی ایسی صِفت نظر نہیں آتی جو اُن کے کلام میں مَوجُود نہ ہو۔ اُن کو ہر صنفِ سخن میں پُوری کامیابی سے طبع آزمائی کرنے کی قُدرت حاصِل ہے۔ اُن کا کلام اوّل سے آخر تک ان امتیازی محاسن کا آئینہ دار ہے جو خاندانِ داغؔ کے سِوا کسی بھی دیگر خاندان میں اگر مفقُود نہیں تو کم یاب ضرُور ہیں۔ اُنہیں عرُوض کی پیچیدہ سے پیچیدہ بحوُر میں شعر کہتے ہوئے کوئی دِقّت محسوس نہیں ہوتی۔"

جناب ساحرؔ ہوشیارپوری جناب جگرؔ جالندھری کو یُوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:۔

"داغؔ کی شاعری کا صحت مند اور ترقی یافتہ رنگ جگرؔ صاحب کے کلام کا جوہر ہے۔ اندازِ بیان میں سادگی و سلاست، بندشِ الفاظ میں نفاست و لطافت اور لوازمِ شاعری کے اِستعمال میں فنی مہارت اُن کے اشعار میں

اکثر پائی جاتی ہے۔"

سحابِ سخن مولانا ابرؔ احسنی گنوری مرحوم جگرؔ کی نسبت فرماتے ہیں۔

"وہ اغل و بے جوڑ الفاظ وزن کے اندر جمع کر دینا کوئی مشکل بات نہیں مگر کون سا لفظ کہاں فِٹ ہوگا، کہاں پر وہ نگینہ بن جائے گا، اور کہاں خذف ریزہ اُس دیدہ ور کا کام ہے جس کو الفاظ کی قدر و قیمت معلوم ہو۔ اسی لئے تو شاعر کو مرصّع ساز کہا جاتا ہے جگرؔ شعر کے مزاج کو بھی ایک طبیب حاذق کی طرح جانتے ہیں اور اُن میں الفاظ کے استعمال برمحل کا بھی عرفان ہے۔ انہوں نے شعر کہنے پر محنت کی ہے اور اِس فن کو ایک بڑے فن کار (جناب ساحرؔ سیالکوٹی) سے سیکھا ہے جو فن کار ہی نہیں جادوگر بھی ہے۔"

جناب جگرؔ کا معیارِ عشق بہت بلند ہے۔ وہ حُسن کے شان و وقار کے ساتھ ساتھ عشق کی خودداری و احترام کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ اُن کا عشق ذلیل قسم کا نہیں ہوتا۔ اُن کے عشق میں نہ ہوس پرستی ہے اور نہ اُن کا محبوب بازاری اور بے وفا ہے۔ وہ حُسن و عشق کو ہم مرتبہ اور ایک دُوسرے کا پُورک سمجھتے ہیں۔ اُن کے مندرجہ ذیل لطیف و دِل کش اشعار اِس دلیل کی تائید کرتے ہیں:-

دونوں کا ایک حال محبّت نے کر دیا
اُن کو قرار ہے نہ مجُھی کو قرار ہے

ہم تو مُشتاقِ دید ہیں بے شک
اُن کو بھی شوقِ خودنمائی ہے

دادِ اُلفت کی پا رہا ہُوں مَیں
اُن کو بھی یاد آ رہا ہُوں مَیں

مری خودداریوں نے عشق کی دُنیا بدل ڈالی
بنا ہوں مُنتظِر سے مُنتظَر آہستہ آہستہ

بے مثل تم جو حُسن میں ہوئیں ہوں عشق میں
میرا جواب ہے نہ تمہارا جواب ہے

تم حُسن کو نہ دیکھو خریدار کی طرح
سودا نہیں یہ سودائے بازار کی طرح

تو اگر پیاسا ہے دریا سے نہ لے پانی کی بُوند
اپنی خودداری کو قائم رکھ کنارے کی طرح

سامنے میرے تمہارے حُسن کا دریا رہے
اَور مَیں دیکھا کروں تم کو کنارے کی طرح

عِشقیہ:۔ جگر کی غزلیات کی نمایاں خصوصیت عاشقانہ جذبات کی ترجمانی اَور قلبیہ واردات کی عکاسی ہے۔ ایسے چند دِل آویز اشعار ملاحظہ ہوں:۔

گُل ہے بلبل، شمع کے نزدیک پروانہ رہے
کِس طرح پھر دُور تجھ سے تیرا دیوانہ رہے

ایسی دَولت ہے حُسن جِس کے لئے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

سرِ محفل نقاب روئے تاباں تم نہ سرکانا
سمجھ کر شمعِ روشن آ نہ جائے کوئی پروانا

سرورِ عشق مجھ کو ہے، غرورِ حسن تجھ کو ہے
اِدھر مَیں بھی ہوں مستانہ اُدھر تو بھی ہے مستانہ

یہ چمن زار یہ شبِ مہتاب
نام ایسے ہیں لو نہ جانے کا

دیکھ لیتے ہیں اگر ہم تم کو
اِس میں رنجش کی تو کچھ بات نہیں

جیتے جی ہو ترا دیدار نصیب
میری تقدیر میں یہ بات نہیں

مَیں نہ جاؤں گا ترا در چھوڑ کر
جان دے دوں گا یہیں سر پھوڑ کر

ڈالتے ہو کس لیے رُخ پر نقاب
چھُپ بھی سکتا ہے کہیں یہ آفتاب؟

رُخِ تاباں نے ترے آگ لگا دی دِل میں
مَیں جسے پھول سمجھتا تھا وہ شُعلہ نکلا

ہم سمجھتے تھے اِسے وجہِ سکوں
اور تڑپایا ترے دیدار نے

نوٹ:۔ مندرجہ بالا عشقیہ اشعار کی لطافت و تاثیر کی جس قدر بھی تعریف

کی جائے کم ہے۔ ہر شعر ضرب المثل کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب جگرؔ ہر شعر بڑی کاوش سے کہتے ہیں تبھی تو انہوں نے اپنی نسبت بجا فرمایا ہے ؎

تخلیق کیا میں نے اُسے اپنے لہُو سے
کہتے ہیں جسے شعر مِرا لختِ جگر ہے

رندی و سرمستی:۔ فارسی اور اردو کے تقریباً تمام شعرائے خواہ وہ میخوار رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ بادہ و جام اور ساقی کی مدح میں اشعار لکھ کر اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کیا ہے چنانچہ جناب جگرؔ کے خمار آگیں شعر ملاحظہ ہوں:۔

ہمارے ہاتھ میں جب جامِ وقتِ شام آتا ہے
ہمیں پھر رحم تجھ پہ گردشِ ایّام آتا ہے

زندگی کی تلخیوں سے مِل گئی دِل کو نجات
یہ اثر جامِ شرابِ تلخ میں پایا گیا

جس میں دَورِ مئے رنگیں نہ چلے
میری نظروں میں وہ برسات نہیں

توبہ توبہ بہار میں توبہ
یہ تو ہیں خاص مے کشی کے دِن

جو ہے درویش بادہ خانے کا
اُس کو غم کچھ نہیں زمانے کا

میں بادشاہِ وقت ہُوں، میں حکمرانِ وقت
اِس وقت میرے ہاتھ میں جامِ شراب ہے

دستِ نازک سے اُٹھائے گا کہاں نک ساغر
مست نظروں سے بس اِک جام پلا دے ساقی

سوز و گداز اور یاس و حسرت:۔ سوز و گداز غزل کی جان ہے۔ جگرؔ کے کلام میں جابجا ایسے اشعار ملتے ہیں۔ جن میں غم زدہ و حرماں نصیب زندگی کی پُرسوز عکاسی کی گئی ہے۔ اُن کو پڑھ کر میرؔ کے کلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میرؔ کی شاعری کو سوداؔ کی شاعری پر فوقیت اِس لئے حاصل ہے کہ میرؔ کے اشعار دِل سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ دِل پر اثر کرتے ہیں جب کہ سوداؔ کے اشعار دماغی شعبدہ بازی کا نتیجہ ہیں۔ جس سے اُن کا اثر نہ تو دِل پر ہوتا ہے اور نہ دیرپا ہوتا ہے۔ اِختصار میں میرؔ کا کلام "آہ" ہے جب کہ سوداؔ کا کلام "واہ" ہے۔ جگرؔ کے چند ایسے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں اُنہوں نے فرقت زدہ عاشق یا پُردرد و حرماں نصیب زندگی کی عکاسی بڑی فن کاری سے کی ہے:۔

کوئی رہ رہ کے یاد آتا ہے
دِل کا صبر و قرار جاتا ہے

ہائے کم بخت نا اُمیدی نے
میرا جینا بھی کر دیا ہے حرام

اِتنا تو وہ بھی مجھ کو ستاتے نہ تھے جگرؔ
جتنا ستا رہا ہے خیال اُن کا آج کل

ہم آج تک نہ تُم کو فراموش کر سکے
گو تُم نے ہم کو دِل سے بھلایا ہزار بار

محبّت میں کوئی اِتنا بھی کیوں ناچار ہو جائے
کہ جینا اِک طرف مرنا اُسے دُشوار ہو جائے

حریم زلیست کے ہر گوشے میں ہے تاریکی
چراغِ رُوئے منوّر سے روشنی کر دو

ہجُومِ یاس و حسرت سے یہ صُورت ہے مِرے دِل کی
کہ آبادی کی آبادی ہے ویرانے کا ویرانہ

تمنّائے دیدار تک بر نہ آئی
اجل آگئی اُن کے آنے سے پہلے

کسی بیچارے کا دِل ٹُوٹ گیا ہو شائد
دِل شکن اِک مِرے کانوں میں صدا گزری ہے

یُونہی روتی رہیں اگر آنکھیں
مُجھ کو رونا رہے گا آنکھوں کا

حقائقِ زندگی:۔ واقعاتِ دنیوی اَور وارداتِ زندگی کا جنابِ جگرؔ نے ایک فلسفی کی طرح باریک بینی سے مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ صداقت پر مبنی ایسے اشعار دِل و دماغ پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

سفر زندگی کا بہت پُرخطر ہے
ہر اِک گام پر اِس میں رہزن کا ڈر ہے

جو بھی دُنیا سے دِل لگاتا ہے
زِندگی بھر وہ غم اُٹھاتا ہے

جُھکتے ہیں آدمی ہی کے قدموں پر آدمی
پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں بندہ خُدا نہیں

سانس آئے زِندگی ہے نہ آئے تو موت ہے
موت اَور زندگی میں کوئی فاصلہ نہیں

حسرتوں کا ہو گیا ہے اِس قدر دِل میں ہجُوم
سانس رستہ ڈھونڈتی ہے آنے جانے کیلئے

ہرگز کِسی کو سائے میں اپنے نہ لیجئے
جلنا پڑے گا دُھوپ میں اشجار کی طرح

سب زِندگی کو کہتے ہیں اِک دردِ سر مگر
مرنے کے واسطے کوئی تیار بھی نہیں

جوانی میں بشر کو ٹھوکریں کھانی ہی پڑتی ہیں
اندھیری رات میں چلنا بڑا دُشوار ہوتا ہے

حجابِ یار اُٹھے گا میں جب دُنیا سے اُٹھوں گا
مجھے معلوم ہے میں خود ہی اُس کے رُخ کا پردہ ہوں

جناب جگر کے مجموعۂ کلام میں اکثر پوری کی پوری غزل مرصّع ہوتی ہے جس کا ہر

شعر رنگین تخیّل کا چھلکتا ہوا جام ہوتا ہے۔ مقالہ کی تنگ دامانی پوری کی پوری غزلیں پیش کرنے کے مانع ہے۔ مَیں اربابِ ذوق کو اُن کے ہر دو مجموعۂ کلام کا مطالعہ کر کے رُوحانی سرُور حاصل کرنے کی پُرزور تائید کرتا ہوں۔ جگرؔ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اپنے کلام پہ بالکل بجا تبصرہ کیا ہے۔ انہیں ہم شاعرانہ تعلّی نہیں کہہ سکتے:۔

بلبلیں دم بخُود ہیں گلُشن میں
اے جگرؔ! تیری نغمہ خوانی سے

کیوں نہ ہو مخمُور اِس سے اہلِ بزم
میرا اِک اِک شعر ہے جامِ شراب

کبھی باندھا ہوا مضمُون نہ باندھا مَیں نے
پھُول سُونگھا ہوا زِنہار نہ سُونگھا مَیں نے

جناب ہماؔ ہرنالوی نے جگرؔ کے کلام پہ اپنے مندرجہ ذیل شعر میں کیا خوُب تبصرہ فرمایا ہے ؎

گرمائیں کیوں نہ شعر کی محفل کو وہ ہماؔ
سوزِ جگر کی آنچ کلامِ جگر میں ہے

روزنامہ "ہند سماچار" جالندھر

۲۳ مئی ۱۹۸۲ء

"لختِ جگر" جناب جگر جالندھری کا مجموعۂ کلام ہے۔ جگر صاحب اُن چند گنے چُنے شاعروں میں سے ہیں۔ جنہوں نے اُردو شاعری میں پنجاب کا نام روشن کیا ہے۔ آپ کم سِن ہیں مگر خوش گو سخن طراز ہیں۔ زبان کی شستگی۔ بندشوں کی پختگی جذبات کی پاکیزگی نے ان کی شاعری کو بہت اُونچا بنا دیا ہے۔ غمِ دوراں کو غمِ جاناں میں سموکر آپ ایسے اچھوتے انداز میں شعر کہتے ہیں کہ قاری مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ جگر صاحب کی شاعری کے متعلق ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی اُودے سنگھ شائق۔ جناب عرش ملسیانی۔ جناب ہما ہزالوی اور جناب ہوشیارپوری جیسے باکمال اساتذہ کی قیمتی آرا بلاشبہ اِس مجموعہ کی قدر و قیمت افادیت میں اضافہ کا باعث بن رہی ہیں۔ اِس پر طرّہ یہ کہ پنجاب سرکار کے محکمہ اور اُترپردیش سرکار کی اُردو اکاڈمی نے جگر صاحب کو اِس مجموعہ پر گرانقدر انعام دے کر اُردو دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ چند شعر دیکھئے۔

حجابِ یار اُٹھے گا مَیں جب دُنیا سے اُٹھوں گا
مجھے معلوم ہے مَیں خود ہی اُس کے رُخ کا پردہ ہوں

ہم سمجھتے تھے اِسے وجۂ سکوں
اَور تڑپایا ترے دیدار نے

ایسی دولت ہے حُسن جس کے لئے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

خونِ ناحق نہیں پروانوں کا دیکھا جاتا
ہم چراغوں کو سرِ شام بجھا دیتے ہیں

بڑے سائز کی اِس کتاب کی طباعت، کتابت اور گرد پوش اتنے خوبصورت
بے اختیار چُوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ ضخامت ۱۶۸ صفحات۔ جلد مضبوط سرورق
یدہ زیب۔ قیمت دس روپے پچیس پیسے۔ ملنے کا پتہ: مرواہا برادرز، مرواہا کاٹیج۔
در بخش کالونی۔ پٹیالہ۔ موجودہ دور میں جب کہ ترقی پسند شاعری اُردو شاعری
یں اُلجھاؤ پیدا کر رہی ہے۔ جگرؔ صاحب کا مجموعۂ کلام یقیناً مشعل کا کام دے گا۔

"پرواز ادب" جولائی - اگست ۱۹۸۳ء

(پنجاب سرکار - بھاشا وبھاگ کا پٹیالہ سے شائع ہونے والا ماہنامہ)

تبصرہ نگار:- جناب نارائن دت

•٥———*———٥•

"لخت جگر" کا مصنّف ادبی دُنیا میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اُردو ادب سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اُن کے نام سے واقف اور اُن کی شاعری کا معترف ہے جگر جالندھری کو نوجوان شعرا کا سپہ سالار گردانا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ادبی روایات کو قائم رکھتے ہوئے نئے انداز سے نہایت دلکش اور سحر آفریں اشعار کہنے پر قادر ہیں۔

"لخت جگر" جگر صاحب کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے جو بھاشا وبھاگ پنجاب کے مالی اشتراک سے شائع ہوا ہے۔ حکومت پنجاب (بھاشا وبھاگ) نے اس مجموعۂ کلام کو ۱۹۸۰ء کی بہترین شعری تخلیق قرار دے کر جگر صاحب کو اوّل انعام سے نوازا۔ اس کے علاوہ اس کتاب کو اُتر پردیش اُردو اکاڈمی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

جگر صاحب نے کتاب کو پانچ حصص فرمودات، غزلیات، نظمیات، قطعات اور متفرقات میں تقسیم کیا ہے۔ فرمودات میں مُلک کے نامور ادبا و شعرا نے جگر جالندھری کی خُداداد ذہانت، ادبی صلاحیت، زبان کے متعلق اُن کی واقفیت اور کلام میں ادبی و فنّی خوبیوں کو اُجاگر کیا ہے۔ کتاب کے باقی حصص شاعری کی مختلف اصناف پر مشتمل ہیں

جگر صاحب کی تخلیقات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "لخت جگر" ادبی جواہر پاروں کا خزینہ ہے۔ جا بجا ایسے اشعار پڑھنے کو ملتے ہیں جن کی زبان نہایت سلیس ہے لیکن مضمون بہت ہی بلند۔ ایسے اشعار کو سہل ممتنع

کہا جا سکتا ہے۔ شاعر کے قلم سے ایسے اشعار بھی مرقوم ہوئے ہیں جن پہ قبلہ جوشؔ ملسیانی جیسے عظیم المرتبت اُستاد کی زبانِ قلم سے "آفریں۔ صد آفریں" کا نعرہ بلند ہوا ہے۔ شاعری میں جگرؔ صاحب کا خاندانی سلسلہ حضرت داغؔ دہلوی سے ملتا ہے اسی لئے اُن کے کلام میں شوخیوں کا دخل قدرتی بات ہے۔ لیکن جگرؔ صاحب اِس امر کے لئے داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے زبان و بیان کی پاکیزگی کو برقرار رکھا ہے۔

جگرؔ صاحب کی شاعری میں مصوری کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیے

ڈال کر عکس وہ آئینے میں بھر دیتے ہیں رنگ
وَرَقِ سادہ کو تصویر بنا دیتے ہیں

شاعر کو زبان پر بڑی قدرت ہے زبان دانی کا ایک نمونہ پیشِ خدمت ہے ؎

مِری خودداریوں نے عشق کی دُنیا بدل ڈالی
بنا ہوں مُنتظِر سے مُنتظَر آہستہ آہستہ

"لختِ جگر" میں بہت سے اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جو ضرب المثل کہے جانے کا حق رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حضوؔر دیکھے ہیں ہم نے جناب دیکھے ہیں
زمیں میں دفن کئی آفتاب دیکھے ہیں

خُونِ ناحق نہیں پروانوں کا دیکھا جاتا
ہم چراغوں کو سرِ شام بُجھا دیتے ہیں

ایسی دولت ہے حُسن جس کے لئے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

سب زِندگی کو کہتے ہیں اِک دردِ سر، مگر
مرنے کے واسطے کوئی تیّار بھی نہیں

جوانی میں بشر کو ٹھوکریں کھانی ہی پڑتی ہیں
اندھیری رات میں چلنا بڑا دُشوار ہوتا ہے

زِندگانی میں تو دشمن ہی جلاتے ہیں سبھی
مرگیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لِئے

جگرؔ جالندھری نے شاعری کو غزل کی رنگینیوں تک ہی محدود نہیں رکھّا وہ اپنے سینے میں وطن پرست دِل بھی رکھتے ہیں۔ جِس کے ثبوت میں اُن کی نظمیات قومی یک جہتی، ہندی نوجوان سے خطاب، ہند سے خطاب، ہندی سپاہی، اے شہیدانِ وطن اور بڑھے چلو بہادر و پیش کی جاسکتی ہیں۔ حبِ وطن سے متعلق اُن کا قطعہ دیکھئے۔

مادرِ ہند قسم کھاتے ہیں ہم سب مِل کر
کِسی صُورت بھی تری آن نہ جانے دیں گے
جان جانے کے لِئے ہوتی ہے اِس کا کیا ہے
جان دے دیں گے تری شان نہ جانے دیں گے

القصّہ یہ گنجینۂ ادب جو "لختِ جگر" کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے آفاقی جواہر پاروں سے مالامال ہے۔ کتاب کا ٹائیٹل نہایت جاذب نظر ہے اور طباعت نہایت عمدہ۔ لہٰذا بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ "لختِ جگر" کی اشاعت اُردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور جگرؔ جالندھری اِس کے لِئے مُبارک باد کے مستحق ہیں۔

روزنامہ "ملاپ" نئی دہلی

۱۴ / جون ۱۹۸۲ء

جناب جگرؔ جالندھری پنجاب کے جواں سال، صاحبِ طرز اور مقبول شعرا کی صف میں نمایاں اور ممتاز ہیں۔ آپ قادر البیان پنڈت رگھبیر داس ساحرؔ سیالکوٹی کے نمائندہ شاگرد ہیں جناب جگرؔ جالندھری نے عمیق و وسیع مطالعہ کے ساتھ برسوں فنِ شعر کا ریاض کیا ہے جس سے اُن کے کلام میں حُسن و دلکشی۔ جذب و اثر۔ تازگی و شگفتگی کے ساتھ ساتھ پختگی بھی پیدا ہوئی ہے۔ آپ کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ "لحنِ جگر" جناب جگرؔ جالندھری کے کلام کا تازہ ترین مُرقع ہے جس میں حسین و وجد آفریں غزلیں، حُب الوطنی کے جذبات سے لبریز نظمیں اور جدید رنگ و آہنگ کے قطعات شامل ہیں۔ اِس تخلیق پر جگرؔ صاحب کو کئی ایوارڈ مِل چکے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں یُو۔ پی اُردو اکاڈمی کا ایوارڈ مِلا۔ پنجاب سرکار نے "لحنِ جگر" کو ۱۹۸۰ء کی بہترین شعری تخلیق قرار دے کر ایوارڈ دیا۔ اِس سِلسلے میں پٹیالہ کے اربابِ ادب نے "جشنِ جگرؔ جالندھری" منعقد کر کے جناب جگرؔ کو سرفراز کیا۔

"لحنِ جگر" میں حضرت جوشؔ ملسیانی مرحوم، سردار اُودے سنگھ شائقؔ، جناب ہماؔ ہرنالوی، حضرت زارؔ انبالوی اور حضرت ساحرؔ ہوشیارپوری کی گرانقدر رائیں شامل ہیں۔ بہر رنگ، بہر انداز یہ ایک دیدہ زیب اور رُوح نواز چمنستان ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]